



نور

از ایمن فیصل

# مکتوب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ---

---"اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ اَحِبَاب---

----"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید ----

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے ---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپکی تحریر پوسٹ ہو جائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں--

Email address :- [Novelskiduniya77@gmail.com](mailto:Novelskiduniya77@gmail.com)

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

( user name [@zoyatalib77](#) )

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

( پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو )

اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے

["novels ki duniya "](#)

اور

["website"](#)

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں ---

-----شکریہ-----

# مکتوب

## از قلم: ایمن فیصل

”بہت زیادہ خوش ہو؟“ اس نے گاڑی چلاتے ہوئے اپنے ساتھ بیٹھی اپنی متاعِ جاں سے دریافت کیا۔ خوش تو وہ بھی بہت تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی۔

”نہیں ہونا چاہیے.....“ سوال پر سوال کیا گیا تھا۔ کیسی پرکشش گفتگو تھی یہ بھی۔

”بالکل ہونا چاہیے..... بہت زیادہ ہونا چاہیے..... بلکہ اس خوشی کو سلبریٹ بھی کرنا چاہیے..... کیا خیال ہے چلیں پھر کسی اچھے سے ریسٹورنٹ..... زبردست سا کھانا کھاتے ہیں اور پھر تمہارے لیے تمہارا فیورٹ چاکلیٹ ملک شیک..... کیا خیال ہے؟“ مسرور کن لہجے میں کہا گیا۔

”چلیں پھر.....“ اس نے فوراً ہامی بھر لی۔ اس وقت اسے لگ رہا تھا وہ دنیا کی سب سے خوش قسمت ترین لڑکی ہے اور ایسا ہی تھا ہر سو خوشیاں ہی خوشیاں تھیں..... رنگینیاں ہی رنگینیاں تھیں.....

” ہم کوشش کریں گے کہ شہر کے سب سے بہترین اور مہنگے ہسپتال میں چیک اپ کروایا کریں..... میں اپنی اولاد کے معاملے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں چاہتا اور تم بھی اب پہلے سے زیادہ بہتر طور پر خوراک لو..... ہر چیز کھایا پیا کرو..... میں ایک صحت مند اور تندرست اولاد چاہتا ہوں.....“ یہ وہ ہدایات تھیں جو مہر النساء کی پریگننسی کی خبر سن کر عمر نے اسے دی تھیں۔ یہ سب سن کر ایک پل کو تو مہر النساء نے سوچا بھی کہ اب اس کی کوئی وقعت نہیں..... سب کچھ بچے کی وجہ سے ہے..... مگر پھر فوراً ہی اپنی سوچ کو شیطانی وسوسے کا نام دے کر اس نے اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور ہر عورت تقریباً یہی تو کرتی ہے اپنے شوہر کی وفا ہی کہیں نا کہیں ڈھونڈتی رہتی ہے۔

” کسی بھی اچھے ہسپتال میں چیک اپ کروانا کافی ہے عمر! ضروری نہیں ہے ہسپتال مہنگا ہو..... اہم تو بس یہ ہے کہ ہسپتال اچھا ہو۔ اور ویسے بھی ہمارے حالات بھی فلحال ایسے نہیں ہیں کہ ہم کوئی مہنگا ہسپتال افورڈ کر سکیں، بہتر ہے کوئی مناسب سے ہسپتال میں ہی چیک اپ کروالیں.....“ ایک معصوم سی نصیحت تھی یا پھر شاید صرف مشورہ..... عورت کے مقدر میں ویسے بھی مشورے کی ہی استطاعت ہوتی ہے، نصیحت یا پھر حکم کا اختیار تو فقط اس عورت کے حصے میں آتا ہے جو مالی طور پر اچھی حیثیت رکھتی ہو یا پھر لاکھوں میں سے چندے ایسی ہوتی ہیں جن کے نصیب میں عزت کرنے والا شوہر آتا ہے..... وہ ان میں سے بالکل نہ تھی وہ تو ایک عام سے مرد کی عام سی بیوی تھی جس کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا اور شکل و صورت بھی اس کی بہت عام سی تھی..... خاص تو اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا.....

” ہر گز نہیں ہم کسی مہنگے ہسپتال میں ہی جائیں گے بس میں نے کہہ دیا ہے..... یہ جو مہنگے ہسپتال ہوتے ہیں نایابی تو اچھے ہوتے ہیں..... تمہیں نہیں پتہ زیادہ کچھ ان سب باتوں کے بارے میں اس لیے تم رہنے دو بس تم نے صرف اتنا کرنا ہے کہ اپنی صحت کا خوب خیال رکھنا ہے باقی سب میں دیکھ لوں گا.....“ وہ مرد تھا..... حاکم تھا..... بس یہی اک بات تو یاد رہتی ہے مرد کو کہ اسے غالب رکھا گیا ہے، اسے حاکم بنایا گیا ہے..... وہ بھول جاتا ہے کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے سب سے پہلے عورت کو عزت دی، اس کی ناز کی کا، اس کی کمزوری کا احترام کرنا سکھایا..... اور وہ، وہ عورت تھی..... وفا کی دیوی..... سر جھکا گئی۔



”اسلام علیکم! خالہ جی کیسی ہیں آپ بڑے دنوں بعد آج ملاقات کرنے آئی ہوں بہت معذرت۔

آپ بتائیں آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“ نرم گرم طبیعت کے باعث اب وہ زیادہ کہیں نکلنے کا نہیں رکھتی تھی مگر آج خالہ سلطانہ کی یاد بہت ستارہی تھی اس لیے مہر النساء ان سے ملنے چلی ہی آئی۔

”بس بیٹا اس خالق کا بہت کرم ہے جو اس کائنات کو بخوبی چلا رہا ہے..... تم سناؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے اور یہ کیا تم ہمیشہ معذرتیں پیش کرتی رہتی ہو، بھی اچھا ہے کم کم آتی ہو، بہتر یہی ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ وقت اپنے گھر کو، اپنے شوہر کو دو اب وہی تمہاری زندگی کا اہم ترین حصہ ہیں وہ تمہاری اولین ترجیح ہونا چاہیے بس باقی سب کچھ بعد میں آتا ہے.....“ خالہ کا چہرہ ہمیشہ کی طرح پر نور تھا اور ایسی ہی ان کی باتیں تھیں۔ مہر النساء کا سب سے بہترین وقت وہ ہوتا تھا جو وہ خالہ کے ساتھ گزارتی تھی۔ ویسے تو وہ خالہ کی استاد بنی تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ اسے ایسا لگنے لگا تھا کہ خالہ اس کی استاد ہیں کیونکہ وہ جب بھی یہاں آتی بہت کچھ سیکھ کر جاتی۔

”جی خالہ مجھے آپ کی سب نصیحتیں یاد ہیں مگر کبھی کبھار آپ سے ملنے کا بڑا دل چاہتا ہے اس لیے سواری پکڑ لیتی ہوں، مگر یقین کریں یہ وہ وقت ہوتا ہے جب مجھے فراغت ہوتی ہے جب عمر گھر پہ نہیں ہوتے۔“ مہر النساء نے عاجزی سے کہا۔

”مجھے تم سے یہی امید تھی بیٹا..... یہ بتاؤ پریشان کیوں ہو، چہرہ کچھ مر جھایا سا ہے تمہارا.....“ خالہ نے فوراً ہی اس کے خدو خال سے اس کی پریشانی کو بھانپ لیا۔ اور پھر مہر النساء نے ان سے اپنی پریشانی بانٹنے کو بہتر سمجھا اسے لگا کہ شاید کوئی خیر کا سرا یہاں اس کے ہاتھ لگ جائے اور اس کی پریشانی کچھ کم ہو جائے۔

”ایک بات کہوں اگر..... آپ برا نہ منائیں تو؟“ وہ دونوں سونے کے لیے لیٹے تھے جب اس نے گفتگو شروع کی۔

”کہو..... اس میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے.....“ آنکھیں مونڈے مونڈے کہا گیا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ بہت مہربان شوہر تھا مگر مہر النساء کی حالت نے اسے مہربان بنادیا تھا کیونکہ وہ بھی ایک عام مرد تھا بارعب شخصیت کا مالک..... جس سے بات کرنے سے پہلے اس کی بیوی کو موقع محل اور اس کے مزاج کا تقریباً ہمیشہ ہی اندازہ لگانا پڑتا تھا۔ مگر باپ بننے کا شرف اسے کچھ عرصے کے لیے کچھ ٹھنڈا کر چکا تھا۔

”ایسا نہیں ہو سکتا کہ اب آپ یہ کام چھوڑ دیں، اب تو نسل نے آگے بڑھنا ہے..... حلال کے لقمے میں برکت ہے، نکھار ہے، صحت ہے، تندرستی ہے..... آپ اپنی اولاد کو حلال نہیں کھلانا چاہیں گے..... اسے حلال میں پروان نہیں چڑھائیں گے.....“ کتنی ہی کوئی جامعیت کے ساتھ بات کہی گئی تھی۔

”پھر وہی بات..... کیسی موٹی عقل کی عورت ہو، آخر تم..... بار بار، بار بار ایک ہی بات کیے جاتی ہو، کیے جاتی ہو..... ہر چند مہینے بعد وہی درس، وہی نصیحتیں..... کیا حرام کماتا ہوں میں ہاں بتاؤ آخر کیا حرام کما کر میں نے تمہیں کھلا دیا ہے جو تمہیں اتنی فکر لگی رہتی ہے، اکاؤنٹنٹ ہی تو ہوں سادھا سا اس پیشے میں بھلا کیا بُرائی ہے آخر مجھے بھی تو کچھ اندازہ ہو..... اس میں غلط کیا ہے مہر النساء.....“ وہ اکتا چکا تھا، وہ بار بار کے ایک ہی موضوع سے اکتا چکا تھا، مگر وہ..... وہ بالکل بھی نہیں اکتائی تھی اور نہ ہی تھکی تھی۔ اس نے آخر حد تک کوشش کرنی تھی اپنے شوہر کو راہِ راست پر لانے کی۔ شادی تو اس کی ہو چکی تھی۔ نصیب تو لکھا ہوا تھا اسے وہ نہ بدل سکی مگر..... مگر اب مستقبل بدلنے کی کوشش تو کر سکتی تھی اور وہ شروع دن سے یہی کوشش کرتی آرہی تھی۔ آج بھی اسے لگا شاید اولاد کے لیے عمر سمجھ جائے اور پھر سنبھل جائے مگر نہیں..... وہ شوہر سے باپ ضرور بننے جا رہا تھا مگر سوچ..... سوچ تو آج بھی وہی تھی..... ایک دفعہ پھر بہت سے آنسو اپنے اندر اتار کر وہ خاموشی سے سونے کی کوشش کرنے لگی۔

”تھکی تھکی لگ رہی ہو بہت..... کوئی پریشانی ہے کیا؟“ وہ آج اپنی امی سے ملنے آئی تھی اور اس کی امی اس کا چہرہ دیکھ کر پہچان چکی تھیں کہ کہیں کچھ معاملہ گڑبڑ ضرور ہے، ماں تھیں آخر اپنی بیٹی کے چہرے کے رنگ پہچان سکتی تھیں۔

”کچھ نہیں امی بس ایسے ہی، رات میں نیند نہیں آئی ٹھیک سے، آپ کو پتہ تو ہے اس حالت میں تو ایسا ہی ہوتا ہے.....“ اس نے تھکن سے چور لہجے میں جواب دیا۔ کیا بتاتی ماں کو کہ آخرت کی فکر اسے ہر وقت ہی تو پریشان رکھتی ہے۔ بس من ہی من میں سوچتی رہتی کہ کاش اس کے ماں باپ اتنے پڑھے لکھے تو کم از کم ہوتے کہ اس کی شادی کسی ایسے انسان سے تو کرتے جو کم از کم اپنے فرض کو تو احسن طریقے سے نبھارہا ہوتا، جو راہ راست پر تو ہوتا جو، تھوڑا مگر حلال کھلانے کی فکر میں تو لگا ہوتا..... مگر ہمارے معاشرے میں تو آوے کا آواہی بگڑا ہوا ہے یہاں کے لوگوں کی سوچ میں تو اچھا کمانے والا ہی بیٹی کو خوش رکھ سکتا ہے، حلال مگر محدود کمائی رکھنے والی کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی۔

”کچھ کھایا ہے تو نے یا کھانا بھی دل کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا؟“ امی نے ایک نظر پھر گہری جانچتی نظروں سے مہر النساء کو تکا۔

”کھالیا تھا امی..... کھانا دل کی مرضی پر چھوڑنے کی اجازت ہی کہاں ہے وہ تو عمر کی مرضی پر ہے، جب جو انہوں نے کھانا ہے میں نے لازمی کھانا ہے بس.....“ ناجانے یہ بات کرتے ہوئے وہ خوش تھی یا پھر افسردہ..... اس کے چہرے کے رنگوں سے تو عجیب سی ہی کیفیت ظاہر ہو رہی تھی جو انتہائی بے نام سی تھی۔

”تو اچھا ہے نابیٹا..... اتنا خیال رکھتا ہے وہ تیرا..... اس حالت میں تو عورت کی طبیعت بڑی ہی کوئی نازک ہو جاتی ہے، اور پھر جب ایسے میں کوئی خیال رکھنے والا ہونا تو سمجھو وہ عورت بڑی ہی کوئی نصیبوں والی ہے.....“ امی نے تو اس کی بات کو وہی رنگ دے دیا جو وہ دینا چاہتی تھیں اور پھر خوشی سے سرشار بھی ہو چکی تھیں۔

”مگر اماں وہ تو میرا خیال نہیں رکھتا..... وہ تو..... وہ تو اپنے بچے کا خیال رکھ رہا ہے، اسے صحت مند بچہ چاہیے اماں اس لیے وہ یہ سب کر رہا ہے۔“ الفاظ ایسے کھوکھلے تھے کہ ان میں کوئی جذبات ہی نہ تھے۔

”تو ایک ہی بات ہوئی نابیٹا وہ بچے کا خیال رکھ رہا ہے تو ظاہر ہے تیرا خیال رکھ رہا ہے نا، تو صحت مند ہوگی تو ہی تندرست بچہ جنے گی جھلی.....“ بڑی معصوم تھی اس کی اماں سمجھ ہی نہ سکی کہ دونوں ایک باتیں ہیں ہی نہیں..... ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

”اب ہمارا وقت ہی لے لے، تیرے ابا کی تو آمدنی ہی اتنی نہ تھی کہ وہ کوئی پھل فروٹ، کوئی مچھلی وغیرہ لا کر مجھے کھلا سکتے چھوٹی سی جیب تھی بس اسی میں یہ سارا زمانہ گزر گیا، تو تو بڑے آرام میں رہ رہی ہے جو وہ تجھے اتنا عیش میں رکھ رہا ہے۔ اتنا سب کھلاتا پلاتا ہے۔“ اماں تو بڑی ہی مطمئن تھیں۔

”ہاں اماں ٹھیک کہتی ہے تو ابا کی جیب بڑی ہی چھوٹی تھی، ایک ایک ٹانی بھی ہم بہن بھائیوں کو آپس میں بانٹ کر کھانی پڑتی تھی مگر..... مگر ابا کی جیب ہمیشہ حلال رہی بہت تھوڑا ملتا تھا اس وقت مگر اس تھوڑے میں بہت سکون تھا.....“ لیٹے لیٹے پتکے کو تکتے ہوئے اس نے کہا تھا مگر اس کی ماں اس بار بھی اس کی بات نہ سمجھ پائی تھی۔

”ایک بات پوچھوں عمر آپ سے؟“ آج پھر ایک اندیشہ اس کے سامنے رکھنے چلی تھی وہ۔

”اگر ہماری پہلی اولاد بیٹی ہوئی تو.....“ اتنا ہی کہا اس نے اس سے آگے کہا ہی نہ گیا اس سے۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے میری جان، آج کے زمانے میں تو بیٹا بیٹی دونوں ہی برابر ہیں، تم اس بات کی فکر نہ کرو..... ہاں یہ ہے کہ بیٹا بازو بنتا ہے اور بیٹی پر ایادھن ہوتی ہے لیکن کوئی بات نہیں جو اللہ کی مرضی۔“ اس نے واقعی یہ سب دل سے کہا تھا اور مہر النساء بھی مطمئن ہو چکی تھی مگر..... مگر وقت کو ان کے ساتھ کوئی اور ہی کھیل کھیلنا تھا۔ یہ جو اللہ کی مرضی پر رضامندی ظاہر کی گئی تھی نا اس رضامندی کا اصل امتحان تو ابھی باقی تھا اور امتحان تو ہر ایک کے حصے میں آتا ہے..... پھر اس آزمائش سے ہی تو اصل کھڑے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے..... کوئی امر ٹھہرتا ہے اور کوئی..... اور کوئی ابلیس بن جانتا ہے.....



”مجھے ہر حال میں یہ پیسے چاہیے ہیں سیٹھ اس بار میری باری تھی تمہیں یاد ہو گا اور آج تو مجھے ضرورت بھی ہے تم کوئی بے ایمانی نہیں کر سکتے آج بالکل گنجائش نہیں ہے..... میرے سارے حالات سے تم اچھی طرح واقف ہو اور میری فطرت سے بھی.....“ آخری الفاظ بھرپور رعبدار لہجے میں بیان کیے گئے تھے۔ ایسی ہی تو شخصیت تھی اس کی جی بھی تو اس طرح کے کاموں کا ماہر تھا وہ۔

”اچھا اب تم میرے ہی ملازم ہو کے مجھے بتاؤ گے کہ مجھے کیا کرنا ہے..... اتنی ہمت بڑھ چکی ہے تمہاری..... ایک بات یاد رکھو یہ جو عرش پہ لے کے جا رہا ہوں نا تمہیں تو فرش پر بھی میں لاسکتا ہوں، ایک لمحہ..... بس صرف اور صرف ایک لمحہ لگے گا مجھے اور تم..... تم تباہ ہو کر رہ جاؤ گے۔“ چھتے الفاظ انتہائی چھتے لہجے میں کہے گئے تھے۔

”بالکل یہی بات آپ سمجھ لیں کہ میں نے آپ سے کہی ہے کیوں کہ اب تو ہم دونوں کی جگہ تقریباً ایک ہی ہے..... بس ایک رتبے کا فرق ہے تو جب بدنامی حصے میں آتی ہے نا تو پھر وہ ہر ایک کے حصے میں برابر کی آتی ہے وہ رتبہ، شان و شوکت جیسی چیزیں نہیں دیکھتی..... مجھے پوری امید ہے شام تک میرے اکاؤنٹ میں ایک لاکھ ٹرانسفر ہو جائیں گے، چلتا ہوں دو دن بعد ملاقات ہو گی اب.....“ انتہائی نڈر لہجے میں اس نے ایک ایک بات کہی اور پھر آنکھوں پر سن گلاسز لگا کر وہاں سے جانے کے لیے اٹھ چکا تھا۔

”پہلا بچہ ہے آپ کا؟“ وہ ہسپتال میں اپنی باری کے انتظار میں بیٹھی تھی جب اس سے ساتھ بیٹھی عورت نے دریافت کیا۔ بہت خوبصورت تھی وہ عورت ایسی کہ اس پر نگاہ نہیں ٹکتی تھی اور انداز و اطوار سے کسی بہت مہذب گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔

”جی پہلی اولاد ہے یہ ہماری الحمد للہ۔“ اس نے مسرت سے جواب دیا۔

”کتنے مہینے اور باقی ہیں؟“ اس عورت نے پھر ایک اور سوال کیا۔

”بس آج آخری چیک اپ ہے میرا۔“ اسے کوفت تو ہونے لگی مگر پھر بھی جواب دے گئی۔

”میرے لیے دعا کرنا بہت..... سات سال ہو چکے ہیں شادی کو مگر نصیب میں بے اولادی کی آزمائش لکھی ہے۔ تھوڑا صبر کیا اور اب کچھ علاج کروا رہی ہوں، دعا کرو مجھے بھی نواز دیا جائے۔“ لہجے میں التجا ہی التجا تھی۔

”بہت جلد آپ کی مراد بھر آئے گی، پریشان نہ ہوں، اچھے کی امید رکھیں۔“ اس نے تسلی دلا دی..... اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی مگر خود کا اس عورت سے موازنہ اس کے ذہن میں ضرور آیا تھا اور اپنی حالت پر اس نے دل کی گہرائیوں سے اپنے خالق کا شکر ادا کیا تھا۔

اور آج آخر کار وہ دن آچکا تھا جس کا مہینوں سے انتظار تھا آج اس کی گود بھر چکی تھی۔ وہ مسلسل رورہی تھی مگر اس کا رونا اس بات پر تھا کہ اس نے اپنے بچے کے رونے کی آواز سنی تھی۔ ہر ماں کی طرح اس کا رونا بھی خوشی کا رونا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ خوشی تو اس کے حصے میں آئی ہی نہیں تھی۔

”مسز عمر..... معذرت کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے مگر..... مگر میرے پاس آپ کے لیے اچھی خبر نہیں ہے.....“ ڈاکٹر ناز نے آکر اسے مطلع کیا تھا۔

اس نے بچے کی آواز سنی ہی تھی اور خوشی کے آنسو بہائے ہی تھے کہ کچھ دیر کے لیے لیبر روم میں سناٹا سا چاہ گیا۔ جو ڈاکٹر زبچے کا مکمل معائنہ کرنے میں مصروف تھے ان میں عجیب سی الجھن پھیلنے لگی مگر اسے ان سب باتوں کی کہاں خبر ہوئی تھی وہ تو اپنی ہی تکلیف اور خوشی کی ملی جلی کیفیات میں مگن تھی۔ اور پھر اتنے میں ڈاکٹر ناز نے آکر اسے مطلع کیا۔

”مسز عمر..... معذرت کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے مگر..... مگر میرے پاس آپ کے لیے اچھی خبر نہیں ہے.....“ وہ ڈاکٹر تھیں جو احساسات سے عاری دکھنے لگتے ہیں، جو اپنے شعبے کی وجہ سے مضبوط چٹان بن جاتے ہیں۔ وہ بھی ایسی ہی تھیں۔ مہر النساء کی حالت خطرے سے باہر تھی اور جو خبر انہوں نے مہر النساء کو دی تھی وہ ایک کڑوا سچ تھا جو کچھ دیر میں اسے پتہ چلنا ہی تھا اسی لیے بجائے اندھیرے میں رکھنے کے اسے اسی وقت اس سچ سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔

”الحمد للہ.....“ یہ وہ الفاظ تھے جو اس خبر سے پہلے اس کی زبان سے ادا ہوئے تھے مگر..... مگر اس خبر کے بعد بھی انہی الفاظوں کا اس کی زبان سے ادا ہونا اس کے توکل کا ثبوت تھا۔ بڑی آزمائش تھی اس پر اور بندے کا اصل امتحان آزمائش کے وقت ہی تو ہوتا ہے مگر وہ..... وہ اس آزمائش میں بھی کامیاب ہوئی تھی۔ اس نے ناشکری کرنے کے بجائے اس عورت کو یاد کیا جو سات سال سے بے اولادی کی آزمائش کاٹ رہی تھی اور اپنے رب کا فوراً سے پہلے شکر ادا کیا مگر..... مگر دیکھنے والوں نے ایک دفعہ یہ ضرور سوچا تھا کہ آزمائش کس کی بڑی تھی اُس عورت کی جس کی گود خالی تھی یا پھر اس عورت کی جس کی گود تو بھر چکی تھی پر پھر بھی وہ ادھوری ہی تھی.....

”یہ کیا کہہ رہی ہو ڈاکٹر تم..... پاگل ہو گئی ہو کیا، میرا بچہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے..... نہیں..... ہر گز نہیں میں نے شروع سے لے کر اپنی بیوی کے سارے ٹیسٹس کروائے ہیں، مکمل طور پر ہر دفعہ معائنہ کروا تا رہا ہوں، وقت پر ساری دوائیاں لاتا رہا ہوں، ایک دن بھی غفلت نہیں برتی میں نے جانتی ہو تم ایک دن کی بھی..... پانی کی طرح پیسہ بہایا ہے میں نے اور تم..... تم اب آکر مجھے بتا رہی ہو کہ میرا بچہ پاگل ہے وہ عام بچہ نہیں ہے..... ایسا کیسے ہو سکتا ہے..... دماغ خراب ہو گیا ہے کیا تمہارا..... ایسا نہیں ہو سکتا ہر گز ایسا نہیں ہو سکتا..... میں..... میں بتا رہا ہوں تمہیں اگر دوبارہ یہ کہنے کی غلطی کی نا تم نے میرے بچے کے بارے میں تو جان سے مار دوں گا میں تمہیں.....“ عمر جو بے صبری سے باہر اپنے بچے کا انتظار کر رہا تھا یہ سن کر کہ اس کا بچہ نارمل نہیں ہے اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ یہی تو ہونا تھا کیونکہ اس نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ نقص کبھی اس کی زندگی کا بھی حصہ بن سکتا ہے۔ کوئی نہیں سوچتا ایسا..... ہر شخص کے لیے اس طرح کی خبر غیر یقینی ہوتی ہے مگر جو لوگ اپنے رب پر یقین رکھتے ہیں نا وہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیتے ہیں، اور جو زندگی میں پرفیکشن چاہتے ہیں پھر وہ ایسے ہوتے ہیں جیسے عمر ہو گا۔

”دیکھیں عمر صاحب..... میں سمجھ سکتی ہوں کہ اس وقت آپ کی ذہنی کیفیت کیا ہے، آپ پر کیا گزر رہی ہے، مگر میں آپ کو ایک بات لازمی بتانا چاہتی ہوں..... آپ کا بچہ ہر گز پاگل نہیں ہے، میں نے آپ سے کہا کہ آپ کے بچے کو ڈاون سینڈروم ہے مگر اس کا یہ بالکل مطلب نہیں ہے خدا نخواستہ کہ آپ کا بچہ پاگل ہے۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ اور بہت سے ماں باپ سے بہتر آپ کو نوازا گیا ہے۔ یہاں دن میں میں نے کئی بچے پیدا ہوتے دیکھے ہیں عمر صاحب جن میں سے کسی کا ہاتھ نہیں ہوتا، کچھ کے پیر نہیں ہوتے، کچھ سن نہیں سکتے، کچھ بول نہیں سکتے اور کچھ ذہنی طور پر بھی معذور ہوتے ہیں مگر آپ کا بچہ ان سب سے کہیں زیادہ بہتر ہے..... مشکل وقت آپ کے لیے بھی ہے مگر پھر بھی آپ کو اب حوصلے سے کام لینا ہو گا.....“ ڈاکٹر ناز نے انتہائی مہذب لہجے میں سمجھانے والے انداز میں اس سے بات کی مگر وہ..... وہ تو سن کر مزید بھڑک اٹھا۔

”بکو اس کرتی ہے، مجھے سکھاتی ہے، پہلے ایک تو تم لوگ خود غلطی کرتے ہو پھر اس غلطی کو کور کرنے کے لیے ہمیں درس دینے بیٹھ جاتے ہو.....“ وہ بولتے بولتے غصے میں آگے بڑھا اور اس سے پہلے کہ وہ ہاتھ پائی پر اتر آتا مہر النساء کے ابا نے اسے مضبوطی سے تھام لیا اور پھر ان کے ساتھ واڑڈ میں موجود گاڑز بھی آچکے تھے۔



”چھوڑیں مجھے چوڑیں..... نہیں چھوڑوں گا میں اسے، سمجھتی کیا یہ یہ خود کو میں پاگل ہوں..... ہر ہر مہینے اتنے اتنے پیسے دے کر میں نے الٹر اسائونڈ کروائے ہیں اتنے ترقی کے دور میں بھی ان کو یہ نہ پتہ چل سکا کہ بچہ نارمل نہیں ہے، جھوٹ بولتے ہیں یہ لوگ ہمیں بے وقوف سمجھتے ہیں مگر میں ان کو نہیں چھوڑوں گا دیکھنا آپ ان کا ہسپتال بند کروا کے رہوں گا۔“ اور اسی طرح وہ بولتے بولتے ہسپتال سے جا چکا تھا۔ کیسا شخص تھا نا وہ باقی دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح اس نے بھی اپنے رب کو چھوڑ کر الٹر اسائونڈ پر بھروسہ کر رکھا تھا۔

پورا دن گزر چکا تھا مگر عمر اب تک بھی واپس ہسپتال نہیں آیا تھا اور مہر النساء خوب پریشان تھی۔ اس وقت اس کی ماں ہسپتال میں اس کے پاس موجود تھیں جب ڈاکٹر صاحبہ ایک بار پھر مہر النساء سے ملنے آئی تھیں وہ اس کی ذہنی کیفیت جانتی تھیں اسی لیے ایک مرتبہ پھر وہ اس کے پاس اس کا دل بہلانے کے لیے موجود تھیں۔ اگرچہ وہ ڈاکٹر تھیں مگر تھی تو وہ بھی ایک عورت ہی نا..... ایک ماں تو دوسری ماں کے دل کا درد اچھے سے جان ہی سکتی ہے۔

”ڈاکٹر صاحبہ یہ..... یہ ڈاون..... کیا بتایا آپ نے.....“ مہر النساء کی امی پرانے وقتوں کی تھیں یہ سب چیزیں نہیں سمجھتی تھیں۔ صبح سن کر تو انہیں بھی کچھ ایسا ہی لگا کہ بچہ پاگل ہے مگر جب ڈاکٹر کی باتیں انہوں نے سنی تو اس وقت سے ان کے ذہن میں یہ سوال گردش کر رہا تھا جسے انہوں نے اس وقت پوچھ ہی لیا۔

ہے۔ ہوتا پیدا ساتھ کے کرو موسوم 47 جگہ کی 46 بچہ جب ہے ہوتا واقع تب یہ ہے۔ کفیت نسلی ایک سنڈروم ”ون کا معذوری جسمانی اور تاخیر میں نشوونما کی دماغ کرو موسوم زائد یہ ہے۔ ہوتا 21 کرو موسوم دراصل کرو موسوم زائد یہ

بالا تر سے حثیت اقتصادی و سماجی اور اجناس قوائد، بچے والے ہونے پیدا ساتھ کے کرو موسوم ڈاون ہے۔ بنتا سبب ہیں۔ ہوتے

ہے۔ مگر آپ کے لیے خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ کے بچے میں کوئی جاتا جانا بھی سے نام کے 21 ٹرائیسومی کو سنڈروم ڈاون نمایاں جسمانی معذوری موجود نہیں ہے..... ہاں جہاں تک دماغی نشوونما کی بات ہے تو آپ کو اس بچے کو تھوڑا زیادہ وقت دینا ہو گا پھر یہ سب سیکھنے لگے گا۔ عام بچوں کی طرح تو یہ نہیں ہو سکتا مگر پھر بھی اس طرح کے بچے بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں اور یہ بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ میرا تو ذاتی تجربہ رہا ہے کہ جب ایک انسان میں کوئی چیز نہیں ہوتی تو پھر اس میں لازمی کوئی چیز غیر معمولی ہوتی ہے وہ عام لوگوں سے مختلف ہوتا ہے تو وہ ان سے آگے بھی ہوتا ہے بہت..... بس یہ ہے کہ معاشرہ اب بھی یہ سب کچھ برداشت نہیں کر پاتا حالانکہ اب ہم انسانوں کو ان سب چیزوں کو اون کرنا چاہیے آخر کو ایسے بچے بھی تو انسان ہی ہوتے ہیں نا..... خیر مہر النساء تم نے بالکل پریشان نہیں ہونا اب..... ان سب کو جتنا جلدی دل سے قبول کر لو گی اتنی تمہارے لیے آسانی ہو گی..... اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں کہوں گی..... تمہاری طبیعت اب کافی بہتر ہے کل ہی تمہیں ڈسچارج بھی کر دیا جائے گا ٹھیک ہے..... اب تم ریٹ کرو۔ ٹیک کیئر۔“ ڈاکٹر صاحبہ تو ان سب باتوں کے بعد وہاں سے جا چکی تھیں البتہ مہر النساء کی والدہ اب کچھ مطمئن تھیں کیونکہ ان کو یہ تسلی ہو چکی تھی کہ بچہ پاگل نہیں ہے اور مہر النساء وہ تو اپنی اولاد کو ہاتھوں میں لیے خوشی سے سرشار تھی۔ وہ دونوں ہی نہیں جانتی تھیں کہ آنے والا وقت ان کے لیے طوفان لے کر آنے والا ہے۔

رات کافی گہری ہو چکی تھی اماں بھی تھک ہار کر سو چکی تھی مگر وہ..... وہ اب تک جاگ رہی تھی۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ وجہ یہ نہیں تھی کہ اس کی اولاد دوسرے بچوں کی طرح عام نہیں تھی بلکہ اصل پریشانی تو عمر کی طرف سے تھی۔ وہ اس کے رویہ

کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ صبح ہسپتال میں ہونے والے ہنگامے سے بالکل بے خبر تھی مگر اس کے ذہن میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ خیال نہ آسکا کہ عمر اپنے ایسے بچے کو قبول نہیں کر پایا ہو گا اس لیے وہ اس طرح منظر سے غائب ہو چکا ہے اور پھر سوچیں اسے خالہ کی باتوں کی طرف لے گئیں۔

”خالہ..... بات دراصل یہ ہے کہ عمر کچھ غلط چکروں میں ہے، ناجانے کیا بات ہے نہ میں کھل کر پوچھ سکتی ہو، اور نہ ہی کسی اور ذریعے سے جان سکتی ہوں..... اس سے اس بارے میں کوئی بات کرنے لگو تو یکدم سے بھڑک اٹھتا ہے اور جب اسے بند لفظوں میں یہ سمجھانے کی کوشش کرو کہ غلط سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا تو وہ بہت طیش میں آجاتا ہے جیسے واقعی وہ کچھ غلط کر رہا ہو..... مگر میں جان ہی نہیں پار ہی ہوں کہ آخر ایسا کیا ہے جس کا ذکر اچانک سے ہی عمر کے رویے میں اتنی زیادہ غیر معمولی تبدیلی لے آتا ہے اور تبدیلی بھی ایسی کہ اس کا لہجہ باقاعدہ گندہ ہو جاتا ہے خالہ.....“ وہ واقعی بہت فکر مند تھی اس کے چہرے سے اس کی فکر بڑی واضح تھی۔

”میری دھی رانی اتنا پریشان نہ ہو..... تو رب سوہنے سے کیوں مدد طلب نہیں کرتی..... اس کے آگے جھک جانا ایک دفعہ پورے من سے، گڑ گڑا کر سوال کر..... تو تو جانتی ہے نا وہ رورو کر اور چھپکے چھپکے اور دل سے پکارنے والوں کی فریاد کو پسند کرتا ہے، پھر تجھے وہ کیسے خالی ہاتھ لوٹائے گا، اس سے جا کر سوال کر کہ جو تیرا ہے وہ تیرے لیے اسے آسان کر دے اور جو تیرا نہیں ہے اس کی خواہش تیرے دل سے نکال دے اور تجھے اس پر راضی بھی کر دے..... پھر دیکھنا راستے کیسے خود بخود کھلتے چلے جائیں گے، پھر تیرے لیے صرف آسانیاں ہی آسانیاں ہوں گی۔“ خالہ نے اس کے قریب ہو کر اس کے سر میں پیار سے انگلیاں پھیر کر اسے ایک بہترین راہ دکھائی جس سے وہ پہلے غافل ہوئی بیٹھی تھی۔

”ٹھیک کہتی ہیں آپ خالہ مجھے رب سے مدد طلب کرنی چاہیے، اتنے دنوں میں اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا۔ یہ شیطان کے بعد نفس بھی بڑا ہی کوئی ظالم ہے خالہ، کیسے پریشانی اور تکلیف میں رب سے دور کر دیتا ہے، ایسی افسردگی اور قنوطیت طاری کر دیتا ہے کہ اس ناچیز کا رب سے باتیں کرنے کا بھی دل نہیں چاہتا، ہر شے ہی بُری لگتی ہے، آپ نے کبھی غور کیا ہے ہم اکثر ہی ڈپریشن میں، پریشانی میں، غم کی کیفیت میں نوافل تو کیا پڑھیں گے فرائض سے بھی غافل ہو کر رہ جاتے ہیں، رب تو کہتا ہے قرآن پڑھا کرو کہ اس

میں دلوں کا سکون رکھ دیا گیا ہے مگر ہم..... ہم تو بے سکونی میں خاص طور پر رب سے دور رہنے کا رواج ڈال رکھا ہے..... کبھی کبھی بڑا افسوس ہوتا ہے اپنی ذات کی کمزوری پر خالہ اور پھر وہی ہم جب صحابہ کے قصے سنتے ہیں تو سوچتے ہیں ہم بھی اس زمانے میں ہوتے کاش، حالانکہ اعمال تو ہمارے ان کے چوتھائی بھی نہیں، ہم نے کیا خاک جہاد کرنا تھا اور اپنی جان و مال اسلام کی سربلندی کے لیے لگانا تھا..... بڑے ہی کوئی نازک مزاج اور کمزور واقع ہوئے ہیں ہم۔“ کتنی گہری اور کتنی سچی بات کہی تھی اس نے۔ خود اپنی ذات کو اس نے آج پلڑے میں کھڑا کیا تھا اور ہمیں واقعی یہی کرنا چاہیے دوسروں پر تنقید کرنے کے بجائے خود پر دھیان دینا چاہیے اور خود کو نچ کرتے ہوئے اپنی اصلاح کو اولین ترجیح دینی چاہیے۔ اور جس دن ہم اپنی اصلاح شروع کر دیں گے نا اس دن لوگوں کی طرف سے یکسر ذہن ہٹ جائے گا۔

”ہاں بھی کیا ہوا بن گئے باپ پھر..... مٹھائی وغیرہ لے کے نہیں آئے کچھ..... اب خوشخبری میں ایسے خالی ہاتھ کون آتا ہے..... اچھا سمجھ گیا اب تک ناراض ہو، یار بس بھی کر دو اب مجھ سے روٹھ کے جاؤ گے کہاں..... گھوم پھر کے آنا تو میرے پاس ہی ہے نا تمہیں، پھر تھوک دو یہ غصہ اور خوشی مناو..... اگرچہ میں نے تمہیں منع کیا مگر آخر کار تمہارا حصہ تمہیں دے ہی دینا پھر.....“ اجمل سیٹھ اس کے آفس آتے ہی اس کے پاس آ موجود ہوئے اور پھر اپنی دھن میں کہتے چلے گئے اور اب جب وہ خاموش ہوئے تھے تو اس نے کہنا شروع کیا۔

”مرچکا ہے میرا بچہ اور بیوی بھی..... سناتم نے وہ دونوں مر گئے ہیں اب کہتے ہو تو بریانی کی دیگ پہنچا دیتا ہوں تمہارے گھر ان کی میت کے کھانے کے طور پر.....“ وہ بہت ہی اونچی آواز اور انتہائی گندے لہجے میں چلا یا تھا۔ اس کی بات سن کر سیٹھ اجمل کو اس کی ذہنی کیفیت کا اچھے سے اندازہ ہو چکا تھا اس لیے وہ اس کو اس وقت اکیلا چھوڑ کر وہاں سے جا چکے تھے۔



”ٹھاہ.....“ اور ان کے کمرے سے باہر نکلتے ہی پیچھے زور سے گلدان ٹوٹنے کی آواز نمودار ہوئی تھی۔

”اچھا نہیں کیا تم نے میرے ساتھ مہر النساء..... بالکل اچھا نہیں کیا برباد کردوں گا تمہیں میں بالکل برباد دیکھنا تم..... اور وہ ڈاکٹر ناز..... منہ دکھانے کے قابل تو وہ بھی نہیں رہے گی..... کہتی ہے میرا بچہ پاگل ہے میرا..... عمر عبدالعزیز کا..... میں بتاؤں گا اب اس کو کہ ان الفاظوں کی کیا قیمت تھی.....“ وہ شدید غصے کی کیفیت میں خود سے ہم کلام تھا۔ اس کی آنکھیں ایسی سرخ ہو رہی تھیں کہ جیسے ان میں خون اتر چکا ہو اور اس کے ذہن میں کہیں بہت اندر ایک ہی آواز بار بار گونج رہی تھی.....

”بدعات تو نہیں دے سکتی میں تمہیں مگر یاد رکھنا آگے تمہارا مستقبل بھی آئے گا، تم نے کل وہی سب دیکھنا ہے جو آج تم نے خود کرنا ہے..... ہر انسان کے اعمال اس تک پہنچ کر رہتے ہیں۔“

یہ آواز ایسی آواز تھی جسے وہ اس وقت کم از کم یاد نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اس طرح کی آوازیں پیچھا تھوڑی چھوڑتی ہیں وہ تو زندگی کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہیں۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے یہ مت بھولنا کہ جو بیج تم نے بویا ہے اس کی فصل کٹائی بھی تمہارے ہی حصے میں آئے گی۔

کمرے میں موجود دو چار چیزیں توڑ کر بالآخر اس نے ان یادوں سے پیچھا چھڑا ہی لیا اور اب..... اب وہ سگریٹ کے کش لیتا بالکونی میں کھڑا خود کو سکون پہنچانے کی کوشش میں مصروف ہو چکا تھا۔ مگر سکون تھا کہ کہیں بھی موجود ہی نہیں تھا وہ گزرے دن مسلسل اس کی سوچوں کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے۔

وہ مسلسل اس کا نمبر ٹرائی کر رہی تھی مگر اس کا فون تھا کہ بند ہی جا رہا تھا۔ آج اس نے ڈسچارج ہونا تھا اور عمر نے اس سے کہا تھا کہ جب وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہوگی تو وہ اسے لینے آئے گا پھر ناجانے کیوں وہ کہیں کھو گیا تھا نہ کل کے پورے دن میں وہ اس سے ملنے آیا اور نہ اس وقت وہ موجود تھا۔ ان سب باتوں کی وجہ سے اس کا دل بیٹھا چلا جا رہا تھا اور تبھی ڈاکٹر ناز ایک آخری دفعہ اس کا چیک اپ کرنے آئی تھیں۔ مہر النساء کی اماں اس وقت کمرے میں موجود نہیں تھی وہ ہسپتال کے بقایہ بل کی ادائیگی اور مہر النساء کی دوائیاں لینے کے لیے گئی ہوئی تھیں۔

”دیکھو مہر النساء یہ سب اللہ کے کام ہیں بندہ جتنا جلدی ان سب کو قبول کر لے اپنے لیے ہی آسانی کرتا ہے، تم بھی اب اس بچے کو دل سے قبول کر لو اور پریشان ہونا چھوڑ دو..... ایسے ہی رہو گی تو تمہاری صحت گر جائے گی اور پھر اس کا اثر بچے پر بھی آئے گا۔ حالات اور قسمت کو قبول کر لو اب اور اپنا خیال رکھو، اپنی صحت ہر دھیان دو.....“ ڈاکٹر ناز نے اسے بہت نرم لہجے میں سمجھانے کی کوشش کی۔

”نہیں ڈاکٹر صاحبہ میں بچے کی وجہ سے بالکل پریشان نہیں ہوں..... میں تو رب کی رضا میں مکمل طور پر راضی ہوں.....“ اس نے بھی جھکی نظروں کے ساتھ جواب دیا۔

”پھر اپنے میاں کے انتظار میں ہو..... نہیں آئے گا وہ اب.....“ اس بات پر مہر النساء نے چونکتی نظروں سے انہیں دیکھا۔ ”شاید تمہیں بتایا نہیں گیا۔ وہ تو کل صبح ہی اپنی اولاد میں نقص کا سن کر ہسپتال میں خوب ہنگامہ کر کے وہاں سے جا چکا تھا۔ دیکھو زندگی اب تمہارے لیے امتحان بننے والی ہے مہر النساء..... اور سب سے زیادہ جو تمہیں تکلیف دیں گے وہ کوئی اور نہیں تمہارے اپنے ہی ہونگے، تمہیں اب بہت مضبوطی کے ساتھ چلنا ہوگا، ایک ماں کو تو ویسے بھی مضبوط رہنا ہی پڑتا ہے مگر ایک اسپیشل بچے کی ماں کو تو چٹان بننا پڑتا ہے..... اپنی اولاد کے لیے کبھی حوصلہ نہ ہارنا..... بس اب سے صرف اور صرف اپنی ترجیح اپنے بچے کو بنالو اسے تمہاری سب سے زیادہ ضرورت ہے..... سو ڈاکٹر ناز نے اسے خوب تسلی دے کر پھر گلے سے لگالیا۔ ایک اچھا ڈاکٹر اپنی باتوں اور انداز سے ہی مریض کی آدھی بیماری ختم کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر ناز نے بھی کچھ ایسا ہی کردار مہر النساء کی کہانی میں ادا کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحبہ تو کہہ کے جا چکی تھی مگر اس کے لیے بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔ کیسے نہ ہوتی اس نے کل سے ایک دفعہ بھی اس بارے میں سوچا ہی کب تھا کہ کوئی باپ فقط ایک قدرتی نقص کی بناء پر اپنی اولاد کو ٹھکرا بھی سکتا ہے۔ مہر النساء تو ایسی تھی کہ اس کی نظر میں تو اس بیماری کو نقص کہنا بھی گناہ تھا۔ وہ تو اس بات پر کامل یقین رکھتی تھی کہ انسان تو کوئی بھی مکمل نہیں ہوتا ہو ہی نہیں سکتا.....

”آپ کا ملایا ہوا نمبر اس وقت بند ہے برائے مہربانی کچھ دیر بعد کوشش کریں.....“

”آپ کا ملایا ہوا نمبر.....“

ڈاکٹر کے جانے کے بعد بھی وہ تقریباً دس دفعہ کال کر چکی تھی مگر عمر کا نمبر مسلسل بند جا رہا تھا۔ اور اتنے میں اس کی امی بھی دوائیاں لے کر آچکی تھیں۔

”کیا ہوا بیٹا عمر نہیں آیا ابھی تک..... کل بھی کافی غصے میں گیا تھا.....“ اس کی امی کی آنکھوں میں ڈھیروں سوالات تھے۔

”نہیں امی وہ کسی کام میں مصروف ہیں نہیں آسکیں گے، ہم باہر سے رکشہ کروا کے چلے جاتے ہیں۔“ اپنے شوہر کے عیبوں پر پردہ ڈالنا تو جیسے اس پر شادی کے دن سے فرض ہو چکا تھا۔ اب بھی وہ سب باتیں ڈھانپ کر امی کو ایک جاندار عذر پیش کر کے وہاں سے اپنے بچے کو لے کر نکل رہی تھی۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ اب شاید اس ہسپتال سے باہر کی دنیا میں اس نے اکیلے ہی اپنے اس بچے کو لے کر مضبوطی سے آگے بڑھنا ہے۔ خود اپنے بچے کا اور اپنا بھی سہارا بننا ہے۔

”ایک کام ہے باس تم سے ضروری.....“ وہ پوری رات سو نہیں پایا تھا، بے چینی ہی ایسی تھی اور یہ بے چینی دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح خود اس نے اپنے لیے منتخب کی تھی ورنہ اس کی زندگی کو تو اس کے لیے بہت آسان بنایا گیا تھا۔ وہ صبح ہوتے ہی آفس آیا تھا اور آتے ہی اپنے سیٹھ کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس کا یہ قدم بھی اپنے سکون کی جانب تھا مگر اس بار بھی اس کا قدم غلط تھا مگر اس نے اپنے ضمیر کی آواز نہیں سنی تھی اس نے تو اپنے ضمیر کو سلا دیا تھا.....

”بولو! بولو!..... ہم تو ہر وقت تمہارے لیے حاضر ہیں، بس ہمارا تو ایک ہی اصول ہے..... ہمارے یہاں ہر کام کی بس کچھ قیمت ہوتی ہے، تم بھی اگر وہ قیمت دینے کے لیے تیار ہو تو شوق سے کام بتاؤ..... یوں ہو جائے گا یوں.....“ اس کے باس نے ریو الونگ چیئر پر بیٹھے اس کو گھوماتے ہوئے ہاتھ سے چٹکی بجا کر اس کو پیشکش کی۔

”آئندہ کے پانچ کاموں میں جتنا نفع ہو گا وہ سب تمہارا، میں ایک روپیہ نہیں مانگوں گا، مگر یہ کام مجھے لازمی کر دو بس.....“ وہ جانتا تھا سیٹھ اجمل ایک انتہائی لالچی شخص ہے، پیسے سے چلتا ہے، اس نے فوراً ہی اسے لالچ دے ڈالی۔

”واہ..... کیا بات ہے، اس طرح بغیر کہے تم نے جھولی بھر دی..... کام بھی پھر کوئی بڑا ہی دلچسپ لائے ہو گے، ہمیں بھی تو سناؤ کونسا کھیل کھیلنے نکلے ہو جس کے لیے اپنا نفع بھی داؤ پر لگا ڈالا.....“ سیٹھ تو تھا ہی انتہائی کمینہ آدمی اس کا تجسس پھر اور بڑھ چکا تھا۔

”یہ..... یہ لڑکی دیکھ رہے ہو..... یہ ایک ڈاکٹر ہے..... اس کے بارے میں تفصیلی معلومات چاہیے اور یہ آدھا کام ہے، جب یہ ہو جائے گا پھر باقی کا آدھا کام بھی بتا دوں گا..... اور ہاں رازداری شرط ہے ورنہ دغا باز میں بھی بن سکتا ہوں.....“ آخری بات اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہی تھی۔ اور پھر وہ وہاں سے جا چکا تھا۔



وہ لوگ گھر آچکے تھے۔ مہر النساء کے والدین اس ننھی جان کے اس دنیا میں آنے سے بہت خوش تھے۔ مہر النساء بھی خوش ہوتی اگر اس بچے کا باپ اس طرح کا غیروں والا رویہ نہ اپناتا تو..... مگر وہ کیا کر سکتی تھی اس شخص کی سوچوں کی ڈور مہر النساء کے ہاتھوں میں نہیں تھی وہ اس کا دل نہیں بدل سکتی تھی اس لیے وہ کچھ مرجھاسی گئی تھی۔ اسے اس معصوم پر ترس آرہا تھا جس نے ابھی اس دنیا اور دنیا والوں کو بھی برداشت کرنا تھا۔

”بہت مبارک ہو میری بچی..... خیر سے گھر آگئی، طبیعت تو ٹھیک ہے تیری، دکھاتیرے کا کے کو کس کے جیسا لگتا ہے؟؟؟“ وہ اپنی ہی سوچوں میں مگن تھی کہ اتنے میں خالہ سلطانہ اس سے ملنے چلی آئیں خالہ سلطانہ مہر النساء کی اماں کی پڑوسن تھیں جو اپنے گھر میں بالکل اکیلی رہتی تھیں، اولاد میں ان کی صرف ایک بیٹی ہی تھی جو باہر ملک میں رہائش پذیر تھی اور شوہر کا ان کے عرصہ پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ کچھ سالوں پہلے انہوں نے مہر النساء سے درخواست کی تھی کہ وہ انہیں قرآن پاک پڑھنا سکھائے اور مہر النساء نے نیکی سمجھ کر یہ فریضہ اپنے ذمہ لے لیا مگر وقت کے ساتھ ساتھ جس طرح انہوں نے مہر النساء سے قرآن پاک سیکھا بالکل اسی طرح مہر النساء نے ان سے زندگی کے کئی اسباق حاصل کیے مگر شادی کے بعد یہ سلسلہ کچھ ٹوٹا پھوٹا سا ہو چکا تھا مگر پھر بھی مہر النساء جب دل چاہتا ان سے ملاقات کے لیے آجاتی تھی کیونکہ عمر کی طرف سے اس معاملے میں اسے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

”ارے بیٹا یہ تو..... یہ کا کا تو بڑا ہی سوہنا ہے میری بچی۔“ وہ بچے کو دیکھ کر کہانی کی تہہ تک پہنچ چکی تھیں مگر پھر بھی دل کی بات دل میں رکھ گئیں۔ مہر النساء کی امی اس وقت خالہ کے لیے چائے پانی کا انتظام کرنے کچن تک گئی تھیں۔

”بالکل ٹھیک سمجھی ہیں آپ خالہ..... میرا بچہ عام بچوں کی طرح نہیں ہے یہ بیمار ہے اس کی ذہنی حالت باقی بچوں کے مقابلے میں تھوڑی کمزور ہے..... کیسی اللہ کی قدرت ہے نا خالہ..... اس نے اس طرح کے بچوں کو لگ بھگ ایک جیسی شکلیں عطا کی ہیں کہ جو نہ جانتا ہو وہ بھی ان کو دیکھ کر پہچان لیتا ہے اور خالہ آپ کو پتہ ہے ہمارے معاشرے میں اس طرح کے بچوں کو پاگل سمجھا جاتا ہے ان کی ذہنی کیفیت کو نقص سمجھا جاتا ہے خالہ..... میرے رب نے بڑی بھاری آزمائش میں ڈال دیا ہے مجھے میرا امتحان بہت کٹھن ہے خالہ، میرے کندھے اس بوجھ تلے دب رہے ہیں، ایک طرف لوگوں کا سامنا کرنے کا خوف ہے اور ایک طرف اس معصوم کی معصومیت مجھ سے دست سوال دراز ہے، میں..... میں کیسے اتنی ہمت کر پاؤں گی خالہ کہ اس بچے کی ماں ہونے کا فرض پورا کر

سکوں.....“ وہ کہے جارہی تھی اور روئے جارہی تھی، آنکھیں تھیں کہ ان کی نمی ہی نہیں ختم ہوتی تھی، دل تھا کہ خود کو اس آزمائش کے قابل ہی نہیں سمجھتا تھا، زندگی اسے مشکل لگ رہی تھی۔ اور زندگی تو واقعی اس کی مشکل ہونے لگی تھی۔ اور ہم..... ہم تو اپنے غموں کو روتے رہتے ہیں، جو نکلیں نادنیا میں آنکھیں کھول کر اور دل بڑا کر کے اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ تو پھر ہمیں پتہ لگے کہ مشکلات کس کی بڑی ہیں اور محرومیاں اور تنگیاں کس کے حصے میں زیادہ آئی ہیں۔

”اس طرح نہ ہمت ہار میری بچی تو تو بڑے صبر والی ہے نا، تو تو جانتی ہے وہ رب کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر نہیں آزماتا پھر سوچنا کہ تیری طاقت بھی اتنی ہے تبھی تو تجھے اتنے بڑے اعزاز سے نوازا گیا ہے، تو کبھی اپنی طاقت کو نہیں جانتی تھی مگر اب وہ تجھے بتائے گا کہ تو کتنے بڑے حوصلے کی مالک ہے چندہ، یہ بچہ..... یہ تیری گود میں ڈالا ہی اسی لیے گیا ہے کہ تجھ سے بہتر اس کی پرورش کوئی اور ماں نہیں کر سکتی تھی یہ صرف تیرے ہی بس کی بات ہے بیٹی، تو تو وہ سارے قصے خوب جانتی ہے نا..... وہ یوسف کا قصہ کہ جو اتنے سال اپنے باپ سے جدا رہے، کیسی آزمائش تھی ان کی اور ان کے ابایعقوب جو اتنے سال اپنے جان سے پیارے بیٹے سے دور رہے ان کی آزمائش کا بھی تو سوچ..... تو..... تو تو شکر کر سکتی ہے اس بات کا کہ تیری اولاد کم از کم تیری جھولی میں تو ہے، اور وہ یاد ہے تجھے ایوب علیہ السلام..... کیسے ان کے صبر کی گواہی کلام مجید نے دے دی ہے..... کتنا سب تھا ان کے پاس اور پھر کیسے سب کچھ چھن گیا تھا..... مال اولاد سب کچھ..... تیری آزمائش تو ان سے کئی درجہ کم ہے نا..... پھر تو بھی تھوڑا صبر پکڑ..... اس بچے کی خاطر اسے تیری ضرورت ہے، ہمت کر اور اب خود کو مضبوط بنا لے اتنا مضبوط کہ کل کو جب یہ شہزادہ دنیا کی تلخیوں کی وجہ سے تیری باہوں میں سمٹنے آئے تو تو اسے سہارے دے سکے.....“ اس عورت نے دنیا دیکھی تھی، اس کا تجربہ سالوں کا تھا، مگر کیا خوبی تھی خالہ سلطانہ کے اندر بھی وہ ڈراتی نہیں تھیں وہ دل سہانے والی باتیں نہیں کرتی تھیں بلکہ ان کا انداز، ان کے الفاظ، ان کی باتیں تو ایسی ہوتی تھیں کہ سننے والے کا دل سکون میں آجاتا، نرم پڑ جاتا، اسے راہیں دکھنے لگتی، اس کے لیے راستے کھلنے لگتے، جینا آسان ہو جاتا۔

”ہیلو! کیسے ہو؟؟ کب مل رہے ہو عمر؟؟ اتنے دن ہو چکے ہیں شکل ہی نہیں دکھائی تم نے تو اپنی..... ناجانے کہاں کھوئے رہتے ہو.....“ وہ آج رات پھر بالکنی میں کھڑا سگریٹ پھونک رہا تھا جب اس کا فون بجا۔ فون کرنے والی نے ایک ساتھ ڈھیر ساری شکایتیں کر ڈالی تھیں۔

”کل رات ملتے ہیں ڈنر پر..... جگہ تو تمہیں پتہ ہی ہے.....“ عمر نے پلان طے کر کے فون منقطع کر دیا اور ایک مرتبہ پھر سگریٹ کے کش لینے لگا۔

”اب تک عمر آیا ہی نہیں بیٹا آج پورے سات دن ہو چکے ہیں بچے کی پیدائش کو..... اس کا اب نام بھی رکھنا ہے، پھر عقیقہ بھی کرنا ہے..... کچھ بات وغیرہ نہیں ہوئی تمہاری عمر سے.....“ آج صبح ناشتے پر اباجی نے مہر النساء سے وہ سوال کر ہی لیا جو وہ اتنے دن سے نہیں کر پارہے تھے۔

”وہ نہیں آئیں گے اباجی..... اس بات کا اندازہ آپ لوگوں کو بھی تو ہو ہی گیا ہو گا نا..... میں تو اس دن وہاں موجود نہیں تھی جب عمر نے ہسپتال میں تماشا کیا تھا مگر آپ لوگ تو موجود تھے نا..... پھر ان کے الفاظوں سے ان کی ذہنیت تو آپ لوگوں کو اچھے سے پتہ چل ہی گئی ہوگی، پھر اب کیا آنا ہے اس شخص نے جس کے لیے اولاد خوشی کے بجائے نقص ہو.....“ ایک ایک لفظ اس کا بہت تکلیف دہ تھا مگر..... مگر لہجہ اس کا ایسا مضبوط تھا کہ ثابت ہوتا تھا کہ یہ ماں سمندر جیسے دل کی حامل ہے۔

”بیٹا تم اس کو فون کرتی..... اس سے بات کرتی، اس کو ایک دفعہ سمجھاتی تو سہی..... اپنی اولاد کے لیے بھلا کسی باپ کا دل تنگ کیسے ہو سکتا ہے؟؟“

اباجی نے اپنی بیٹی ہی کو سمجھانے کی کوشش کی۔

”ٹھیک کہتے ہیں اباجی آپ اپنی اولاد کے لیے دل تنگ نہیں ہو سکتا..... مگر وہ اس بچے کو اپنی اولاد تسلیم کرے تب نا..... اس نے تو اسے اپنا بچہ ماننے سے ہی انکار کر دیا ہے..... اب اور مزید کیا بات کروں میں اس سے، فون تک تو وہ میرا اٹھاتا نہیں ہے پھر کیسے سمجھاؤں میں اسے، وہ تو..... وہ تو مکمل طور پر مجھ سے اور اس معصوم جان سے منہ موڑے بیٹھا ہے اباجی، پھر کیسے اس کا دل بدلے گا.....“

ایسی بے بسی تھی اس کے ماں باپ کی بھی، وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ بیٹی کے غم میں شریک ہوں یا پھر اس معصوم بچے کی زندگی کی مشکلات پر آنسو بہائیں۔

”آج عقیقہ ہے نا اس کا تو ہم عقیقہ کریں گے اور لازمی کریں گے..... اس بچے کا نام آج سے یحییٰ ہے اور اس کے بال اباجی آپ اترو آئیں، باقی عقیقہ کی تیاری بھی ہم ہی کریں گے میرے پاس کچھ پیسے رکھے ہوئے ہیں فحالی وہ کام آجائیں گے عقیقہ میں۔“ اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے سب معاملات ترتیب دیے کیونکہ وہ جان چکی تھی کہ اب زندگی میں آگے ہر معاملہ اسے اکیلے ہی لے کے چلنا ہے۔

”پاگل ہو کیا بیٹی اب تم ہم سے حساب کتاب کرو گی..... عقیقہ ہو جائے گا اس کا کوئی پیسہ ویسے کی ضرورت نہیں ہے بس تم میرے یحییٰ کو اچھا سا تیار کر دو۔“ اباجی کو پیسے والی بات پسند نہ آئی اور انہوں نے فوراً ہی مہر النساء کو انکار کر دیا۔

”اباجی عقیقہ آپ بے شک کر لیں، لیکن اب سے

یہ حساب کتاب تو ہو گا ہی..... شادی کے بعد جب بیٹیاں باپ کے گھر آجائیں نا تو بے شک ماں باپ کے لیے وہ بوجھ نہیں ہوتیں مگر وہ بذات خود اپنا آپ ان کے لیے بوجھ ہی سمجھتی ہیں..... اس لیے اب سے میں بھی اپنے خرچے خود پورے کرنا چاہتی ہوں۔“ مہر النساء کہہ کر وہاں سے اٹھ چکی تھی اور اس کی آخری بات اس کے ماں باپ دونوں کے لیے کسی سخت تیر سے کم نہیں تھی جو ان کے سینوں میں بہت تکلیف سے چبھتا تھا۔

”ایک لڑکی آئے گی آج انٹرویو کے لیے..... اسے اس آفس کی زینت بنادینا ایک منٹ میں..... لیکن..... لیکن یہ کام بڑی سمجھداری اور ہوشیاری سے ہونا چاہیے، غفلت ناقابل برداشت ہوگی..... سمجھ رہے ہونا میری بات.....“ سیٹھ اجمل نے اپنے پرسنل اسسٹنٹ کو آج کے دن کے حوالے سے ہدایات دیں۔

”گستاخی معاف سر مگر میں آپ کو یاد دلانا چاہوں گا کہ ہمارے آفس میں عورت ذات کا کردار غیر معیاری سمجھا جاتا ہے..... آفس کے کنٹریکٹ کے مطابق کسی بھی جاب کے لیے آنے والی لڑکی جو جاب پر نہیں رکھا جائے گا کیونکہ عورتیں عام طور پر مزاجاً جذباتی واقع ہوتی ہیں.....“ پرسنل اسسٹنٹ اجمل سیٹھ کو مزید اصول یاد کروانا چاہتا تھا مگر انہوں نے اسے یہیں روک دیا۔

”بلال صاحب یہ سارے اصول میرے بنائے ہوئے ہیں لہذا انہیں یاد کرنے کی ضرورت مجھے نہیں تمہیں یا تم جیسے دوسرے لوگوں کو ہے اس لیے ابھی میرا دماغ نہ گھوما اور جو کہا جا رہا ہے وہ کرو..... عورتیں واقعی آفس میں کام کرنے کے قابل نہیں ہیں مگر..... مگر کچھ کام ہیں جو صرف عورتیں ہی کر سکتی ہیں اور اب جو مجھے کام ہے وہ کچھ ایسا ہی ہے اس لیے تمہیں جتنا کہا جا رہا ہے اتنا ہی کرو جا کر..... اور ہاں جاتے ہوئے دروازہ بند کر کے جانا۔“ سیٹھ کے ہاتھوں اسسٹنٹ کی تو آج ٹھیک ٹھاک کھینچائی ہو گئی تھی۔

گھر والوں کا ایک جم غفیر آج موجود تھا۔ عقیقے کی خوشی میں کوئی خاص دعوت تو نہیں رکھی گئی تھی مگر تقریباً سب ہی گھر والے اس خبر سے واقف تھے کہ آج مہر النساء کے پہلے بچے کو اس دنیا میں آئے سات دن پورے ہو چکے تھے اور اسی لیے آج سب مہر النساء سے ملنے اور بچے کو دیکھنے ان کے گھر موجود تھے۔



”ہائے مہر النساء یہ کیسا بچہ پیدا کر لیا ہے تم نے..... غضب خدا کا یہ تو پاگل سا دکھتا ہے..... ارے بیٹا اب تو لڑا سا ونڈ میں سب کچھ ہی پتہ چل جاتا ہے تم کو بھی پتہ لگا ہی ہو گا اس کی اس حالت کے بارے میں..... پھر تم نے اس وقت ہی بچہ ضائع کیوں نہیں کروا لیا..... کیسی مصیبت اپنے سر لے لی ہے تم نے بھی..... بڑی ہی کوئی بے وقوفی کی تم نے بھی.....“ آنٹی جی ایک بات بتاتی چلوں میں آپ کو..... بچہ ضائع کروانا ایک گناہ کبیرہ ہے یہ صرف اسی حالت میں جائز ہے جب ماں کی جان کو کوئی خطرہ ہو اور میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں تھا اور دوسرا یہ کہ بے شک ہم اس دور میں رہتے ہیں جہاں بہت زیادہ ترقی ہو چکی ہے مگر اللہ کے فیصلوں سے بڑھ کر تو کچھ نہیں ہو سکتا، اس کے فیصلے کے آگے تو یہ ساری ٹیکنالوجی بہت پیچھے رہ جاتی ہے آنٹی جی اور افسوس تو مجھے اس بات کا ہے کہ اس ترقی کے دور میں بھی ہماری سوچ نے ترقی نہیں کی ہم آج بھی ویسے کے ویسے ہی ہیں گھٹیا اور دقیا نو سی سوچ کے مالک..... ہم آج بھی ذہنی کمزوری رکھنے والے معصوم سے بچوں کو پاگل کہہ دیتے ہیں، ہم انہیں اس دنیا حصہ ہی نہیں سمجھتے، ہم انہیں انسان ہی نہیں سمجھتے..... ہم بھول جاتے ہیں کہ جو وجود ہمارے پاس ہے وہ ہمیں بھی ہمارے اختیار یا مرضی سے نہیں ملا.....“ الفاظ ایسے سخت مگر سچے تھے اور لہجہ..... اس کا لہجہ اتنا پتھر تھا کہ اعتراض کرنے والے کو لگا کہ اگر اس نے مزید ایک لفظ بھی بولا تو اس کی جان نکال دی جائے گی۔ اور ماؤں کو اپنی اولاد کے معاملے میں ایسا ہی مضبوط ہونا چاہیے کیونکہ بچوں کو ماں کی مامتا کے سہارے کی بارہا ضرورت پڑتی رہتی ہے اور جو مائیں لوگوں سے ڈرتی رہتی ہیں وہ اپنے بچوں کے لیے کبھی کچھ نہیں کر پاتیں مگر جو دنیا سے لڑ جاتی ہیں وہ امر ہو جاتی ہیں۔ مگر..... مگر دنیا سے لڑنا سب کے آگے بولنا اور ہر ایک کے آگے جواب دینا بھی ہوتا ہے کیا یہ کہانی ابھی کچھ ادھوری تھی.....

”بہت کچھ سنا ہو گا نا کل تم نے..... لوگ پیچھا نہیں چھوڑتے نا میرا بچہ؟؟“ کل عقیقے کے بعد پوری رات وہ سونہ سکی اور پھر آج صبح سویرے ہی خالہ کے آنگن میں حاضر ہوئی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ مہر النساء کے پاس اس کی ماں کا کندھا نہیں تھا رونے کے لیے مگر.....

مگر کچھ غم ماؤں کو بھی غمزدہ کر دیتے ہیں اور اسی ڈر سے ان تکلیفوں کو ماؤں سے بھی چھپانا پڑتا ہے اسی لیے مہر النساء اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے خالہ سلطانہ کے پاس حاضر ہوئی تھی۔

”ہاں خالہ سنا تو بہت کچھ میں نے مگر میں بھی خاموش نہیں رہی تھی ایک ایک کو جواب دیا ہے میں نے اور جواب بھی ایسا کہ شاید ہی آئندہ کسی کی میرے بچے کو کچھ کہنے کی ہمت ہوگی..... مگر خالہ ان سب کے بعد بھی میرا دل مطمئن نہیں ہے، پرسکون نہیں ہے، خوش نہیں ہے کہ میں نے اپنے بچے کو تحفظ عطا کیا اس بات پر..... ایسا کیوں ہے خالہ، کیوں میری آنکھیں بہنا چاہتی ہیں، دل کیوں بوجھ تلے دبا ہوا ہے؟؟“ اس کی آنکھیں اب اس کے گالوں کو بھگونے لگی تھیں۔

”کیونکہ میرے بچے تم نے صرف ان کے سوالوں کے جواب نہیں دیے، بلکہ تم نے ان سے زیادہ بڑھ کر بول لیا ہے..... جانتی ہونا قصاص کیا ہے..... جتنا کسی نے ظلم کیا اتنا ہی اس کے ساتھ ظلم کرنا، جتنے سخت الفاظ کسی نے کہے اتنے ہی سخت الفاظ تمہیں ان سے کہنے چاہیے تھے مگر تم..... تم حد سے تجاوز کر بیٹھی میری بچی..... اور یہی بات تمہیں اب پریشان کر رہی ہے اور تم نے ایسا جان بوجھ کر بھی نہیں کیا بلکہ انجانے میں تم سے ایسی غلطی ہوئی کیونکہ جواب دیتے وقت تمہارا دل بہت دکھا ہوا تھا اس لیے تمہارے الفاظوں میں وہ دکھ بھی شامل ہو گیا..... اسی لیے تو حکم ہے خاموش رہنے کا جو خاموش رہتا ہے اس کا بدلہ پھر اس کا رب لے لیتا ہے اور وہ بہترین بدلے لینے والا ہے..... وہ قصہ یاد ہے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کہ جب تک جھگڑے میں خاموش رہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہاں موجود رہے اور جب ابو بکر نے اپنے دفاع میں بولنا شروع کیا تو وہ وہاں سے چلے گئے کیوں..... کیونکہ پہلے خاموشی کے وقت وہاں فرشتے دفاع کے لیے موجود تھے مگر پھر بعد میں جب بندے نے بولنا شروع کیا تو فرشتوں کی جگہ بھی شیطان نے لے لی..... بس ایسا ہی کچھ تمہارے ساتھ ہوا جب تم نے بولنا شروع کیا تو تم ان لوگوں کا زیادہ دل دکھا گئیں جو تمہارا دل دکھا رہے تھے اور اپنے ہی حق میں بُرا کر بیٹھیں..... خیر ابھی تو تمہارے امتحان کی شروعات ہے..... ان سارے اسباق کو اب اپنی زندگی کا حصہ بناتی جاو اور آئندہ کوشش کرنا کہ اس قسم کی کوئی غلطی تم سے سرزد نہ ہو۔“ انہوں نے سمجھاتے ہوئے مہر النساء کو سینے سے لگا لیا اور ان کا یہ عمل مہر النساء کو آہستہ آہستہ حوصلہ دیتا گیا۔

”عمر..... کیا ہو کیا گیا ہے تمہیں..... چہرہ دیکھو تمہارا کتنا پچکا پڑ گیا ہے..... کوئی پریشانی ہے کیا، کچھ ہوا ہے، مجھے بتاؤ شاید میں تمہاری مدد کر سکوں، گھر میں سب ٹھیک ہے؟“ اس نے آج پھر کرسی پر بیٹھنے کے ساتھ ہی ڈھیر سارے سوال کر ڈالے..... شاید اس لڑکی کو بیک وقت کئی باتیں ایک ساتھ کرنے کی عادت سی تھی۔

”کچھ نہیں ہوا یا رتم اتنا پریشان کیوں ہو جاتی ہو چھوٹی چھوٹی باتوں میں..... بس نیند نہیں ہوئی“ اس نے مختصر جواب دیا۔

”نیند نہیں ہوئی..... مگر آنکھیں تو دیکھو تمہاری کتنی زیادہ لال ہو رہی ہیں جیسے..... جیسے تم بیمار ہو.....“ وہ پھر اسی انداز میں گویا ہوئی۔

”ایسا کچھ نہیں ہے ٹھیک ہوں میں بالکل بس نیند کی کمی کی وجہ سے سر میں کچھ درد ہے اور اسی وجہ سے آنکھیں لال ہو رہی ہیں.....

اب تم چھوڑ بھی دو نہ یہ سب باتیں اور کھانا آرڈر کرو..... بتاؤ کیا کھانا ہے تم نے.....“ عمر نے موضوع بدلتے ہوئے مینیو کارڈ اس کی طرف کیا۔

”کچھ خاص کھانے کا دل نہیں چاہ رہا میرا تو..... ویسے بھی آج کل میں ڈائننگ پر ہوں بس ایک کافی آرڈر کر دو..... میں تو اصل میں تم سے ملنے آئی ہوں بڑے دن ہوئے تمہیں دیکھے ہوئے، پتہ نہیں کن مصروفیات میں لگے رہتے ہو تم بھی..... اچھا ایک سرپرائز ہے میرے پاس تمہارے لیے.....“ اس کی آنکھوں میں واضح چمک تھی ایک ایسی چمک جو اس کی حقیقی خوشی کا پتہ دے رہی تھی۔

”کیسا سرپرائز؟؟“ عمر نے دلچسپی سے اس سے پوچھا..... آج پورے ہفتے بعد کہیں جا کر اس کا ذہن کچھ بٹا تھا، ورنہ گزرے چند دن اس پر بہت بھاری رہے تھے۔

”یہ.....“ اس نے کچھ کاغذات نکال کر عمر کو دکھائے، جنہیں دیکھ کر حقیقتاً عمر کو جھٹکا لگا تھا۔

” امی میں شام تک آ جاؤں گی یچی روئے تو آپ اسے دودھ دے دیجئے گا..... ٹھیک ہے“ وہ کہہ کر نکلنے لگی تھی۔

” مگر جا کہاں رہی ہو بیٹا کچھ بتا تو سہی..... “ مہر النساء کی والدہ کچھ پریشان سی ہوئیں۔

” عمر سے ملنے..... “ کچھ لمحے خاموشی کے بعد اس نے انہیں بالآخر بتا ہی دیا۔ اور پھر وہ گھر سے نکل چکی تھی۔

” تم..... تم پاگل ہو تم نے میرے ہی آفس میں جاب کے لیے اپلائی کر لیا ہے؟؟“ عمر کو اس لڑکی کے دیے گئے کاغذات دیکھ کر واقعی ایک بہت بڑا جھٹکا لگا تھا۔

” کیوں اس میں ایسی بھی کیا بات ہے جو تم اس طرح کارڈ عمل ظاہر کر رہے ہو؟؟“ عمر کا رد عمل دیکھ کر وہ لڑکی کچھ الجھ سی گئی تھی۔

” کیونکہ ہمارے آفس میں لڑکیاں جاب نہیں کرتیں..... یہ ہمارے آفس کی پالیسی ہے..... “ عمر نے بالکل صحیح وقت پر صحیح تیر مارا تھا۔ اصل بات تو یہ تھی کہ وہ بذات خود نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ جاب کرتی۔ اور اس کی یہی ذہانت تھی کہ آج وہ اجمل سیٹھ کی نظروں میں تھا۔

” ہاں جانتی ہوں..... مگر تم یہ بات نہیں جانتے کہ اب سے تمہارے آفس کی پالیسی بدلنے والی ہے..... بس کچھ دن رہ گئے ہیں پھر سال کے ختم ہوتے ہی نیا کنٹریکٹ بنے گا جس کے مطابق اب سے تمہارے آفس میں لڑکیوں کو بھی کام کرنے کی اجازت ہوگی اور پھر ہم دونوں مل کر کام کر سکیں گے..... “ وہ خوشی خوشی بتانے لگی۔ جب کہ عمر کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

”کیسے ہوا امر..... بڑے دنوں بعد آج آفس چکر لگا ہے تمہارا.....“ آج امر صاحب کا آفس آنا ہوا تھا اور ان کا استقبال اجمل سیٹھ نے کیا۔ اجمل اور امر دونوں گارمینٹس امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس کرتے تھے اور دونوں اس بزنس میں پارٹنرز سے..... یہ بزنس میں امر کا حصہ ستر پر سنٹ جبکہ اجمل سیٹھ کا حصہ تیس پر سنٹ تھا۔ دونوں کو یہ بزنس شروع کیے دس سال سے اوپر کا عرصہ ہو چکا تھا اس لیے امر اب اجمل پر اندھا اعتماد کرنے لگا تھا۔ وہ ایک دوسرے بزنس کے ساتھ بھی جڑا ہوا تھا اس لیے کم ہی آفس آیا کرتا تھا۔ اس کی توجہ زیادہ تر باہر سے مال منگوانے اور وہاں فروخت کرنے کے سلسلے میں خارجی معاملات پر زیادہ ہوتی تھی جبکہ اجمل سیٹھ اپنے دن کا وافر حصہ اپنے آفس میں ہی گزارا کرتا تھا۔

”بالکل فٹ..... آپ سنائیں اجمل سیٹھ کیسا جا رہا ہے سب اس بار کافی زیادہ دن گزر گئے نا، وہ اصل میں اس بار ایک جگہ پسند کر آیا ہوں سری لنکا میں..... سوچ رہا ہوں ایک برانچ وہاں کھول لوں اپنے آفس کی..... اچھا ہے نا اور جڑیں مضبوط ہونگی ہمارے کاروبار کی..... آپ ہی سے سیکھا ہے میں نے ایک سے بھلے دو.....“ امر نے تفصیلاً اجمل سیٹھ سے گفتگو کی۔ وہ عمر میں سیٹھ اجمل سے کافی چھوٹا تھا اور کچھ مکاری بھی اس میں کم تھی مگر باہر سے پڑھ کے آیا تھا ہوشیار تھا، محنتی تھا اور لگن رکھتا تھا ساتھ میں کچھ باپ کا پیسہ اور نام بھی اس کے پاس تھا جس نے اتنے چند سالوں میں ہی اتنا اچھا کاروباری بنادیا تھا۔

”بہت اچھا سوچ رہے ہو..... بڑھتے جاؤ آگے خوب ترقی کرو اور ہاں یہاں کی ٹینشن لینے کی بالکل ضرورت نہیں ہے میں ہوں نا یہاں سب دیکھ لوں گا تم بس آگے بڑھتے جاؤ۔“ سیٹھ اجمل نے اسے خوب تسلی کرائی۔

”اور ہاں ایک بات اور کرنی تھی تم سے..... ایک لڑکی کو جاب دینے کا سوچ رہا ہوں، بیچاری مجبور لڑکی ہے، شوہر اسے طلاق دے چکا ہے چھوٹا بچہ ہے اس کا اسے بھی اپنے قبضے میں لے کے بیٹھا ہے، اس کو اس نوکری کی بڑی ضرورت ہے عدالت میں کیس کیا ہے



اس نے اس کی فیسیں بھرنے کے لیے اسے نوکری چاہیے، مجھے وہ کسی حد تک محنتی بھی لگی اس لیے میں نے تم سے مشورہ کیے بغیر اسے ہمارے آفس میں رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے مجھے یقین تھا کہ تم اس بات سے انکار تو نہیں کرو گے مگر پھر بھی اب بھی میں تم سے پوچھ رہا ہوں اگر راضی نہیں ہو تو بتا دو؟؟“ بات اس انداز میں کی گئی تھی کہ سننے والے نے قائل ہونا ہی تھا وہ بھی ہو گیا اور پھر اس کا دل بھی کچھ زیادہ ہی حساس تھا..... فوراً ہی رضامندی دے دی۔ اور پھر دونوں نے ایک ساتھ چائے بھی پی اور کام سے متعلق دوسری بہت سی باتیں کیں اور اس طرح ان کا آج کا دن گزر گیا۔

”خیریت کچھ بجھی بجھی سی لگ رہی ہو کافی دنوں سے؟“ ڈاکٹر ناز مہر النساء کے کیس کے بعد سے کچھ ادا اس سی رہنے لگی تھی اور ان کے میاں نے یہ بات بخوبی نوٹ کی تھی اور پھر آج بالآخر پوچھ بیٹھے۔

”ہاں خیریت تو ہے ہی سب بس زندگی ایسے حالات سامنے لاتی ہے کہ دل دھل جاتا ہے..... ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے کسی حد تک پریکٹیکل تو ہوں میں مگر..... مگر اس سے پہلے ایک انسان ہوں اور ایک عورت ہوں نا تو کبھی کبھار کسی ماں کی تکلیف پر دل بہت آنسو بہاتا ہے، ہر طرف اداسی سی اداسی لگتی ہے بس.....“ بہت افسردگی سے گویا ہوئیں۔

”کیسا کیس تھا؟“ اختر صاحب نے چائے پیتے پیتے ایک اور سوال کیا۔ یہ ان کا معمول تھا۔ ڈاکٹر ناز جب بھی کوئی مشکل کیس سے گزرتیں وہ ایسے ہی اداس ہو جاتیں اور پھر اختر صاحب ان سے دل کا غبار باہر نکلوا کر ان کا دل ہلکا کرتے۔

”ایک مریضہ تھی..... بہت بہترین وقت گزرا اس کے ساتھ..... پر یگنینسی کے شروع سے آخر تک ہر رپورٹ کلیئر رہی مگر جب بچہ پیدا ہوا تو..... اس کے بچے کو ڈاؤن سینڈروم ہے..... کیسے قدرت کے کرشمے ہیں اختر اتنے ترقی یافتہ دور میں بھی وہ جو چاہتا ہے وہ ہو کر کے ہی رہتا ہے..... بندے کی کوئی مجال ہی نہیں ہوتی اس کے فیصلے میں دخل اندازی کی..... پہلی اولاد تھی اس عورت کی اور

بیچاری کے شوہر نے اس پر اس حالت میں ایسا ظلم کیا کہ اسے اس کے بچے سمیت ہسپتال میں ہی چھوڑ کر چلا گیا..... جانتے ہیں کیا..... اس نے تو اپنے بچے کو اپنانے سے ہی انکار کر دیا اس لیے کہ اس کی اولاد مکمل نہیں تھی اختر..... آپ سوچ سکتے ہیں اس عورت کی حالت..... کیا گزری ہوگی اس پر..... ایک تو ویسے ہی جسمانی مشقت سے گزر رہی تھی، اوپر سے بچے کی آزمائش اور پھر..... پھر شوہر کا ایسا رویہ..... مجھے سمجھ نہیں آتی لوگ ایسا ظلم کرنے سے پہلے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اگر وہ خود مکمل ہیں تو اس میں انکا اپنا کوئی کمال نہیں ہے..... ان کا وجود، ان کی زندگی، ان کے اعضاء سب کچھ ہی ان کے پاس ان کے رب کا دیا ہوا ہے اور وہ بھی بن مانگے..... پھر اسی کی تخلیق کی اتنی بے قدری کیسے کر سکتے ہیں وہ آخر..... مجھے مہر النساء کے لیے بہت افسوس ہو رہا ہے ناجانے اب وہ کس حال میں ہوگی..... زندگی بہت سخت ہو چکی ہے اس کے لیے اختر..... “آنسو کی دو بوندیں ان کی آنکھوں سے گری تھیں۔ یہ ایسی تکلیف تھی جسے اس وقت توہر کوئی محسوس کر سکتا تھا مگر وائے رے انسان کے رویے کہ جب تکلیفیں محسوس کرنے کا وقت ہوتا ہے تب وہ بے حس ہو جاتے ہیں۔

”ناز..... مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے اور بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے..... اس عورت کے لیے بھی ہوگی اور پھر جس آزمائش سے وہ گزر رہی ہے تو اس کا انعام بھی ایک دن اس نے پانا ہے..... ہمارے رب کی عدالت میں فقط انصاف پایا جاتا ہے..... تم بس دعا کرو اس کے حق میں۔“ اس خوبصورت تسلی نے ناز کے دل کو کچھ قرار بخشا تھا۔

”مجھے بات کرنی ہے تم سے ابھی..... اور تمہیں بھی میری بات سننی پڑے گی۔.....“ عمر بریک ٹائم پر لپچ کرنے آفس کے ایک قریبی ریستورنٹ آیا تھا اور آج کافی دن بعد وہ سب کچھ ذہن سے جھٹک کر نارمل ہونے لگا تھا مگر آج مہر النساء ایک بار پھر اس کی

نظروں کے سامنے آ موجود ہوئی اور اسکا راستہ روک چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ روز لچ ٹائم پر یہاں آتا تھا مگر وہ اس بات سے واقف نہیں تھی کہ پچھلے کئی دنوں سے اس نے لچ ہی نہیں کیا تھا۔

”میں..... تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔“ شہادت کی انگلی دکھا کر ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا گیا تھا۔

”جانتی ہوں اسی لیے گھر پر نہیں آئی اور یہاں مل رہی ہوں کیونکہ میں سمجھ چکی تھی کہ تم میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہو گے اور ہو سکتا ہے مجھے گھر سے دھکے دے کر نکال دو مگر..... مگر یہاں تم ایسا نہیں کر سو گے، یاد رکھنا میں لوگوں کو بھی اکٹھا کر سکتی ہوں یہاں اور ویسے تو میں بالکل غلط نہیں ہوں لیکن اگر ہوتی بھی نا تب بھی لوگوں نے میرا ہی ساتھ دینا ہے۔ اس لیے تسلی سے اگر ہم بات کر لیں تو بہتر ہو گا۔“ اس نے بھی بھرپور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔

”کرو جو بھی بات کرنی ہے تم نے.....“ وہ فوراً سنبھل چکا تھا۔

”وجہ جان سکتی ہوں کہ تم اب تک بچے سے ملنے کیوں نہیں آئے.....“ مہر النساء نے موقع کو غنیمت جان کر گفتگو کا آغاز کیا۔

”کس حیثیت سے ملنے آتا..... کیا لگتا ہے وہ میرا.....“ وہ یکسر انجان بن گیا۔

”اولاد ہے وہ تمہاری جہیز میں نہیں لائی تھی میں اسے..... اور کس بات کی سزا دے رہے ہو تم اسے اس کا قصور کیا ہے آخر پتہ تو چلے مجھے..... وہ صرف تھوڑا سا دوسرے بچوں سے پیچھے ہے بس ایسی کو نسی اذیت والی بات ہے اس میں جو تم اس طرح اس کو دھتکار رہے ہو آخر؟“ اس نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

”اتنی سی بات..... وہ نامکمل ہے مہر النساء اس کے اندر نقص ہے..... ہم ساری زندگی اس کو اگر پالتے رہے نا تو تھک جائیں گے وہ ہمیں کچھ نہیں دینے والا سوائے تھکاوٹ کے، اذیت کے اور اس کی وجہ سے لوگ ہمیں صرف اور صرف باتیں سنائیں گے..... میں تو کہتا ہوں تم بھی اسے ایدھی کے جھولے میں ڈال دو، چھوڑ دو اسے یہ..... یہ دنیا اس جیسے انسانوں کے لیے نہیں ہے یہاں تو ہوشیار، سمجھدار اور مکار لوگ رہتے ہیں جو اسے کھا جائیں گے..... تم مان جاو میری بات چھوڑ دو اسے..... ہمارے اور بچے ہو جائیں گے وہ ہماری

زندگی میں رونق ڈال دیں گے.....“ وہ بولے جارہا تھا اور اس کے الفاظ چیخ چیخ کر بتا رہے تھے کہ وہ کتنا سفاک اور ظالم باپ ہے اور جب مہر النساء کا صبر جواب دے گیا تو اس نے اسے خاموش کر دیا۔

”چٹاخ.....“ اس نے زور سے اس کے منہ پہ طمانچہ مارا..... ”اس سے آگے ایک اور لفظ نہیں بس..... ایک باپ ہو کر تم مجھے کہہ رہے ہو کہ اپنے بچے کو چھوڑ دوں، اس دنیا کے حوالے کر دوں، ایسی خود غرضی کہ تم اپنی خوشیوں کی خاطر اپنے بچے سے منہ تک موڑنے کو تیار ہو..... ہو کیا آخر تم..... ایسا گند ادا.....“ اور پھر وہ کہہ کر رکی نہیں وہ وہاں سے تیز تیز بھاگنے لگی، آنسو تو اتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ وہ خود پر افسوس کر رہی تھی کہ وہ ایک ایسے انسان سے بات کرنے آئی تھی، بھیک مانگنے آئی تھی جس کے سینے میں تو انسان کا دل ہی نہیں بستا، وہ ایسے شخص کی محبت میں گرفتار تھی جو خود اپنی اولاد کا دشمن تھا وہ کیا اسے تحفظ دے سکتا تھا۔

”اتنی جلدی آگئیں بیٹا..... کیا ہوا ملا عمر بات ہوئی کچھ اس سے..... اب تک تو اس کا دل بدل گیا ہو گا، باپ ہے وہ بھی اس بچے کا..... اس کا بھی تو دل تڑپ ہی رہا ہو گا، کیسے رہ سکتا ہے وہ اس اپنے خون کے بغیر.....“ مہر النساء کی امی کی خوش گمانی آج بھی اپنی جگہ ہی تھی۔

”رہ سکتا ہے امی..... انسان سب کر سکتا ہے..... وہ اگر اچھا بننے پر آئے ناتو فرشتے کو بھی پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور بخدا اگر وہ بُرا بننے پر آئے ناتو پھر وہ شیطان سے بھی بدتر درندہ ہے، وہ مٹی سے پتھر بن جاتا ہے اور ایسا مضبوط پتھر کہ کیا ہی کوئی چٹان ہوگی..... عمر کو آج میں بہت پیچھے چھوڑ آئی ہوں امی، بہت پیچھے اور وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے.....“ وہ اب رو نہیں رہی تھی..... جتنا رونا تھا اس نے وہ راستے میں رو آئی تھی اب اس نے آگے بڑھنا تھا، راستے بنانے تھے، منزلوں تک پہنچنا تھا.....

عمر سے ملنے کے بعد گھر آکر وہ پوری دوپہر اپنے بستر میں ہی رہی اور پھر شام گئے تک وہ خود کو سنبھال چکی تھی اور اب وہ خالہ سملطانہ کے پاس آئی بیٹھی تھی۔

”عمر کے پاس گئی تھی تم تمھاری ماں نے بتایا.....“ جب کافی دیر وہ کچھ نہ بولی تو خالہ نے ہی خود سے بات کا آغاز کیا۔

”جی خالہ.....“ خالہ سلطانہ ان لوگوں کے لیے بالکل گھر کے فرد کی طرح تھیں اس لیے وہ بڑے آرام سے ان سے ہر بات کر جاتی تھی۔

”کیا بنا پھر.....“ خالہ نے سبزی کاٹتے ہوئے ایک اور سوال کیا۔

”آپ نے کہا تھا خالہ میں رب سے مانگوں کہ جو میرا ہے اسے میرے لیے آسان کر دے اور جو میرا نہیں ہے اس کی خواہش میرے دل سے نکال دے..... بس پھر ایسا ہو گا، عمر عبدالعزیز آج میری زندگی سے اور میرے دل سے نکل چکا کیونکہ وہ میرا نہیں تھا..... وہ میرے لیے نہیں تھا خالہ..... اس نے..... اس نے مجھ سے کہا کہ میں بچی کو جس کو میں نے نو مہینے اپنی کوکھ میں رکھا اس کو میں ایدھی کے جھولے میں ڈال دوں..... اس نے کہا میں اس معصوم کو اس بھری دنیا میں چھوڑ کر خود غرض ہو جاؤں اپنا سوچوں..... میرا دل اس کی باتیں سن کر پھٹ گیا تھا خالہ..... اور اب..... اب میں ان ماؤں کا سوچ رہی ہوں جو ایسا کر گزرتی ہیں..... ہیں نا اس دنیا میں ایسی مائیں بھی جو ان بے قصور، نا سمجھ بچوں کو دنیا کی سختی جھیلنے کے لیے تنہا چھوڑ دیتی ہیں..... ناجانے خالہ کس دل سے کرتی ہو گی وہ یہ سب..... یا پھر پتہ نہیں کتنا سخت ان کا امتحان ہو گا جو انہیں ایسے موڑ پر لا کر کھڑا کر دیتا ہے کہ انہیں اپنی اولاد کے لیے اتنے سخت فیصلے کرنے پڑ جاتے ہیں..... میں نہیں کر سکی یہ اس لیے..... اس لیے میں نے اس سفاک دل انسان کو چھوڑ دیا..... میں اپنے بچی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی اس لیے میں نے عمر کو چھوڑ دیا..... اب بس بچی کے لیے جینا ہے، اس کے لیے آگے بڑھنا ہے.....“ وہ کہہ کر



کچھ دیر خاموش ہو گئی..... خالہ نے بھی اس کی خاموشی میں خلل پیدا نہیں کیا وہ بھی اپنا کام کرتی رہیں..... کمرے میں اس وقت صرف اور صرف پنکھے کے چلنے کی آواز گونج رہی تھی جو اپنی موجودگی کا پتہ دے رہا تھا۔

”میں نے جاب کرنے کا فیصلہ کیا ہے اب خالہ..... مگر ایک بات کی فکر ہے بس..... کوئی نوکری کروں گی تو یچی کو وقت کیسے دوں گی.....“ وہ اب واقعی آگے بڑھنے جا رہی تھی۔

”ایک حل ہے میرے پاس تمہارے اس مسئلے کا.....“ خالہ نے کہا تو اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

”محلے کے بچوں اور دوسرے لوگوں کو قرآن پڑھالو..... اس کام میں تو تمہیں اجر بھی ملے گا اور اس طرح تم یچی کے پاس بھی رہ سکو گی.....“

”مگر میں قرآن پڑھانے کے پیسے لوں گی تو لوگ بہت باتیں بنائیں گے خالہ.....“ اندیشہ ظاہر کیا گیا۔

”لوگ تو ہر صورت میں باتیں بنائیں گے..... اگر لوگوں کا ہی سوچتی رہو گی تو پھر اپنا کب سوچو گی..... چھوڑ دو سب کو بس تم جانتی ہونا کہ تمہارے رب نے تمہیں اجازت دی ہے کہ قرآن سکھانے کی بھی تم ضرورت کے تحت فیس لے سکتی ہو تو بس پھر اللہ کا نام لے کر شروع کرو..... گھر میں بھی برکتیں اتریں گی اور اجر بھی پاؤ گی.....“ خالہ کی بات میں دم تھا وہ اس بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگی۔

”ہاں کیا ہو چنگیز..... کیا پتہ چلا اس ڈاکٹر نی کے بارے میں؟؟؟“ اجمل سیٹھ نے اپنے خاص بندے کو عمر کا کام سونپا تھا۔ یہ ملازم نسلی پٹھان تھا اور خوب جذباتی تھا ہر وقت مرنے مارنے کو تیار اس لیے یہ اجمل کا خاص بندہ تھا۔

”صاحب جی وہ ڈاکٹر بڑا کوئی پیسے والا ہے..... یہ بڑا سا اس کا بنگلہ ہے، دو بڑی بڑی گاڑیاں اس کے گھر کے باہر کھڑی ہوئی تھیں اور جس ہسپتال میں یہ کام کرتا ہے وہ بھی بہت بڑا نامور ہسپتال ہے..... گھر میں اس کے زیادہ بندے نہیں ہیں بس دو میاں بیوی رہتے ہیں اور ایک ان کا بیٹا ہے مگر وہ بھی کچھ اٹھارہ انیس سال کا لگتا تھا جب میں اس ڈاکٹر کا پیچھا کرتے کرتے وہاں پہنچا تو وہ لڑکا اس وقت گھر پر ہی موجود تھا اور پھر میں تقریباً پورا دن ہی اس کے گھر کے باہر پہرہ دے کے کھڑا رہا..... وہ بڑے ہی کوئی سلجھے ہوئے لوگ معلوم ہوئے اور ہاں ان کے گھر کے باہر گارڈز بھی کھڑے تھے دو.....“ چنگیز میر نے تفصیلی معلومات دے دی تھیں۔ اس کا آباؤ اجداد تو گاؤں میں رہتا تھا مگر اپنے والدین کی وفات کے بعد وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ مستقل شہر منتقل ہو چکا تھا اور اجمل سیٹھ نے اس کی ایسی ٹریننگ کی تھی کہ اب اس کی زبان اور اس کا لب و لہجہ کافی صاف، واضح اور ادب والا ہو چکا تھا۔

”..... سلجھے ہوئے لوگ ہیں مگر پیسے والے ہیں..... اور پیسہ تو ہے ہی ایسی چیز خود بخود دشمن بنا لیتا ہے..... لیکن کچھ بات تو ہے جو ادھوری ہے..... عمر کی آنکھوں میں اترا خون کچھ دوسری ہی کہانی سنارہا تھا جو اس نے اپنے منہ سے مجھے نہیں سنائی ہے اب تک.....“ اجمل سیٹھ نے کافی پرسوج لہجے میں یہ بات کہی تھی۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ.....“ اور پھر چنگیز کے جاتے ہی اجمل نے سیکریٹ کا کش لیا۔

وہ ٹھیک ہونے لگا تھا..... اپنے ضمیر کو سلانے میں کامیاب ہو رہا تھا مگر..... مگر اس نے آج پھر سے اپنا چہرہ دکھا کر، اس کے سامنے آکر سب کچھ پھر سے تازہ کر دیا تھا..... وہ حال بھی جو ابھی ابھی گزرا تھا اور وہ ماضی بھی جو کچھ سالوں پہلے اس کی زندگی کا حصہ بنا تھا۔

”میرے شہزادے..... آگیا تو آخر گھر آج..... بڑے دنوں سے تیرا انتظار کر رہی تھی میں ہر ایک دن میرا کس تنہائی اور انتظار میں گزرا ہے تو سوچ بھی نہیں سکتا..... کتنا منع کرتی تھی تجھے کہ وہاں ہاسٹل میں نہ جا مگر تیری خواہشات بھی نابلس.....“ وہ گھر آ کر بستر پر لیٹا ہی تھا کہ اس کی شفیق ماں اس کے سرہانے آ کر بیٹھ گئی..... وہ ماں جس نے اپنی اولاد کی ہر خواہش کے احترام میں اپنے دل سے آنی والی آوازوں کے دروازے بند کر دیے تھے۔

”امی آپ کو کہا بھی تھا نائیں نے کہ نہ دیکھا کریں میری راہ..... اور آپ بتائیں میں کیسے ہاسٹل نہ جاتا..... تھا کیا ہمارے پاس جو میں روز روز کر ایہ دے کروہاں جاتا بتائیں..... ابا نے تو زندگی برباد کر کے رکھ دی اپنی بھی اور ہماری بھی اور جب مر گئے تو بھی ایسے کہ کچھ بھی چھوڑ کر نہ گئے میرے لیے سوائے بدنامی اور رسوائی کے..... ایک اکلوتی اولاد تھا میں ان کی کچھ تو سوچا ہوتا انہوں نے میرے مستقبل کے بارے میں..... اب دیکھیں کتنے ہی کوئی دھکے کھانے پڑ رہے ہیں مجھے..... لوگوں سے قرض لے لے کر تو میں نے پڑھائی مکمل کی ہے اور اب آپ کے رونے نہیں ختم ہوتے کہ آپ کو تنہا چھوڑ دیا میں نے.....“ اس کا لہجہ اتنا گندا تھا کہ اس کی ماں تو حیران ہی رہ گئی کہ یہ وہی اولاد ہے جس کو بولنا اس نے سکھایا، اس کی ماں کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی یہ سوچ کر کہ جس منہ سے آج انگارے نکل رہے ہیں یہ وہی منہ ہے جس میں اس نے اپنا نوالہ تک ڈال دیا اور خود بھوکے ہی سو جایا کرتی تھی مگر پھر بھی وہ فوراً ہی نرم پڑ گئی..... ماما تو ایسی ہی ہوتی ہے صاف شفاف اور فوراً پگھل جانے والی.....

”ایسے نہ بول بیٹا..... تیرے ابا نے دن رات محنت کی تیرے لیے..... خود یاد کر جب تک وہ زندہ رہے تو تجھے تو یونیورسٹی کے لیے کبھی ادھار لینے کی ضرورت نہ پیش آنے دی، روز محنت کرتے پائی پائی جوڑتے اور پھر تجھے پڑھا رہے تھے..... یہ تو بس زندگی اور لوگوں کی سفاکی نے مہلت نہ دی زیادہ ورنہ وہ تیری تعلیم مکمل کروا کے رہتے ایسی ان میں لگن تھی اور اتنی زیادہ تجھ سے محبت کرتے تھے.....“ وہ اپنے بچے کو سمجھانے لگی۔

”بس کر دیں اماں..... آپ تو ہر وقت ابا کی شان میں قصیدے ہی پڑھا کریں..... وہ جو کر کے گئے نایہ سب ان کا فرض تھا اور میرا حق کوئی احسان نہیں کیا انہوں نے..... اب جائیں یہاں سے اور مجھے آرام کرنے دیں.....“ بیٹے کی آخری بات سن کر تو وہ اسے یہ بھی

نہ بتاسکیں کہ ہر وہ کام جس میں مفاد کو چھوڑ کر کسی کے لیے کیا جائے وہ احسان ہی ہوتا ہے اور پیدائش سے لے کر ہر ہر مشقت جو ماں باپ اولاد کے لیے کرتے ہیں وہ بے غرض ہو کر ہی تو کرتے ہیں.....

اس سے آگے عمر اس وقت کچھ اور سوچ نہ سکا..... وہ یہ سب بھلا دینا چاہتا تھا مگر یہ سب تھا کہ ہر رات اس کا پیچھا کرتا رہتا وہ وقت اسے بھولتا ہی نہیں تھا..... اس نے آج ایک بار پھر سونے کے لیے نیند کی گولیاں لیں اور اب یہ اس کی عادت بنتی جا رہی تھی کیونکہ نیند اب خود سے آکر اسے گلے نہیں لگاتی تھی..... اور واقعی یہ سچ ہے کہ نیندیں بھی اسی کی آغوش میں گرتی ہیں جہاں سکون ہوتا ہے۔

”ارے بہن نو اساکسیا ہے تمہارا؟؟“ آج شام جب وہ اور امی چائے پی رہے تھے تب ان کی پڑوسن جن کی امی سے بڑی دوستی تھی ان سے ملنے آئی ہوئی تھیں۔

”بالکل ٹھیک ہے حمیدہ بیگم..... ماشاء اللہ سے صحت مند ہے.....“ امی نے نو اسے کی محبت سے لبریز لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا..... مگر سننے میں تو آرہا تھا کہ وہ عام بچوں کی طرح نہیں ہے..... کچھ دماغی طور پر پاگل سا ہے..... بُرا ماننا بہن پر وہ بلڈنگ کے دوسرے لوگوں نے جو بتایا وہی کہہ رہی ہوں میں تو..... اب ایک بات ہے نا دیکھو اتنے دن ہوئے بچے سے ملنے اس کا باپ بھی تو نہیں آیا نا ورنہ پہلوٹی کی اولاد سے ملنے کا جی کس کا نہیں چاہتا..... پہلی اولاد اور وہ بھی بیٹا تو جان ہوتا ہے خاص کر باپ کا..... مگر مہر النساء کو تو یہاں آئے ہوئے مہینہ ہو چکا ہے اور دیکھو نا اس کے میاں نے تو یہاں کا رخ ہی نہیں کیا ایک دفعہ بھی..... اب لوگ تو باتیں بنائیں گے ہی نا اور سو سو طرح کی باتیں بنائیں گے.....“ حمیدہ بیگم کی باتیں تو مہر النساء کے لیے کسی جلتے انگارے سے کم نہ تھیں

مگر آج..... آج وہ صبر کے گھونٹ پی گئی اور خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر کچن میں آکر حمیدہ بیگم کے لیے شربت بنانے لگی..... وہ جان چکی تھی کہ اب تو اسے ساری زندگی اس طرح کی ہی باتیں سننی تھیں یہی اب اس کا مقدر تھا۔

”صاحب جی ایک بات کرنی تھی آپ سے..... وہ اصل میں میں محسوس کر رہا ہوں کچھ دنوں سے ایک گاڑی میڈم جی کا مسلسل پیچھا کر رہی ہے..... میں جیسے ہی صبح گھر سے انہیں لے کے نکلتا ہوں وہ ہمارے پیچھے لگ جاتی ہے اور پھر شام تک میں اس گاڑی کو ہمارے ساتھ دیکھ رہا ہوتا ہوں.....“ ڈرائیور نے اختر کو آکر اطلاع دی جب وہ لوگ ناشتہ کر چکے اور ناز اندر تیار ہونے جا چکی تھی۔

”تو تم نے پھر بھی اب تک گاڑی کا نمبر یاد نہیں کر لیا..... پھر کیا کروں اب میں تمہیں اس اطلاع پر شاباشی دوں یا ادھوری اطلاع پر جھڑکوں.....“ اختر نے اخبار پر سے نظریں ہٹا کر اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

”صاحب جی کام کبھی ادھورا نہیں کرتا میں..... اس گاڑی کی نمبر پلیٹ روز الگ ہوتی ہے..... کوئی بہت پکا کام کر رہا ہے..... مگر میں نے ہر دن کا نمبر نوٹ کیا ہے..... اور ایک بات یہ کہ ابھی بی بی جی کو اس بات کی اطلاع نہیں کی ہے میں نے کیونکہ پھر وہ فوراً پریشان ہو جاتی ہیں.....“ ایک اور دفعہ تفصیلی معلومات فراہم کی گئیں۔

”ٹھیک ہے پھر پتہ لگو اوں کس کو سیدھی سادھی زندگی گزارنے میں مزہ نہیں آرہا..... ہم بھی دیکھتے ہیں اس بار کون کھیل کھیلنے حاضر ہوا ہے اور ہاں ناز کو اب بھی خبر نہیں ہونی چاہیے وہ جو کر رہی ہے وہی اس کے لیے بہت ہے اسے وہی سکون سے کرنے دو..... بس اب سے خیال تھوڑا زیادہ رکھنا اور ہاں اسے سہولت کے لیے بھی سیکیورٹی سخت کر دو وہ بھی پوری طرح چھپا ہوا اور حفاظت میں رہنا چاہیے۔“ اور اتنا کہہ کر وہ ایک مرتبہ پھر سے اخبار پڑھنے میں مصروف ہو چکے تھے..... یہ سب باتوں کے باوجود بھی انکا اطمینان



قابل دید تھا کیونکہ یہ سب حالات ان کی زندگی کا حصہ تھے۔ ان کے رب نے انہیں جس طرح خوب پیسہ دیا تھا اسی طرح ان کے دشمن بھی بڑے تھے جو وقتاً فوقتاً ان سے ٹکراتے رہتے۔

”پتہ ہے خالہ اس دفعہ میں نے بولنے والوں کو بولنے دیا، میں نے انہیں کسی قسم کی کوئی تاویل کوئی صفائی کچھ نہیں پیش کی..... بس خاموشی سادھ لی..... ایک ایک لفظ مجھے تیر کی طرح چبھتا رہا خالہ مگر میں نے اپنے ہونٹ سی لیے تھے..... اب میں سوچتی ہوں خالہ ٹھیک ہے ہر ایک کو جواب نہیں دینا چاہیے مگر خالہ اس طرح اگر میں ہی خاموش ہو جاؤں گی تو میرے بچے کے لیے آواز کون اٹھائے گا، اس کا سہارا کون بنے گا، اس کے حق میں کون بولے گا..... لوگ تو باتیں سنا سنا کر ہماری دنیا ہی اجاڑ دیں گے، ہماری زندگیوں کو مشکل بنا دیں گے.....“ اس نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا تھا وہ جب خالہ سلطانہ کو قرآن سکھانے آتی تھی محلے کی دوسری عورتیں اور بچے بھی اس کے پاس قرآن سیکھنے آ جاتے تھے اور اب وہ خالہ کے پاس بیٹھی اپنی الجھنیں سلجھا رہی تھی۔ کیسی خوش نصیبی ہے نا یہ بھی کہ کوئی آپ کی زندگی میں آپ کی ساری الجھنیں سلجھانے والا بھی ہو..... جس کے پاس آپ اپنے سوالوں کے جواب پا لیں.....

”بات تو تیری بالکل درست ہے میری بچی..... واقعی ہماری خاموشی بولنے والوں کو شے دیتی ہے، وہ پھر سنا سنا کر ہمیں کچا چبا جاتے ہیں، ہماری زندگی اجیرن کر دیتے ہیں..... ہمیں ایک لمحہ سکھ کا سانس نہیں لینے دیتے..... مگر میں تجھے بتاؤں یہ جو صبر ہے نا اس کا صلہ زیادہ اچھا ہوتا ہے وہ سکون جو صبر کر کے حاصل ہوتا ہے نا وہ جواب دے کے حاصل نہیں ہوتا..... ہے تو مشکل یہ کام مگر اجر بھی تو ایسا خوبصورت ہے نا..... تو دیکھنا کچھ سالوں بعد جب تیری تربیت بولنے لگے گی نا جب تیرے صبر کا پھل تجھے ملنا شروع ہو گا نا تو پھر دوسرے سب بولنے والوں کے منہ بند ہو جائیں گے.... اس وقت کبھی تجھے ایسا بھی لگے گا کہ ایک عمر سننے میں گزار دی اب جو بچی

کچی ہے تو اس میں ملنے والے صلے کا کیا فائدہ..... مگر بیٹی یہ جو بچی کچی زندگی ہوتی ہے نایہ بڑی بھاری ہوتی ہے اور اس میں ملنے والا سکون جوانی کے سکون سے کئی زیادہ ضروری بھی ہے اور دلسوز بھی..... اور پھر سب سے بڑھ کر تو تیری آخرت جو بن جائے گی..... وہی تو اصل کامیابی ہے..... وہ تو پھر ابدی زندگی کی کامیابی ہے نا..... “سلطانہ خالہ ہر دن اسے ایک نیا سبق پڑھاتی تھیں اور وہ سبق کیا خوب ہوتے تھے.....

”ابھی تو سفر بہت طویل ہے خالہ..... ابھی منزل بڑی دور ہے.....“ وہ کہہ کر ان کے سرہانے لیٹ گئی.....

”کہاں غائب ہوا تنے دن سے..... آج پورے دس دن بعد آفس آئے ہو..... کتنے فون کیے میں نے تمہیں، کتنے میسجز کیے مگر ایک کا بھی جواب نہیں دیا تم نے تو..... میں کتنا پریشان تھی تمہارے لیے تمہیں اندازہ بھی ہے، سب ٹھیک ہے... تم ٹھیک ہو، تمہارے گھر والے؟؟“ وہ جیسے ہی آفس کی عمارت میں داخل ہوا اس لڑکی نے چھوٹے ہی کئی سوال ایک ساتھ کر ڈالے..... مگر وہ..... وہ تو اسے جانتا ہی نہیں تھا، ناجانے کون تھی وہ، کیا بول رہی تھی..... کیوں بول رہی تھی..... اس کا دماغ تو جیسے سن ہی ہو چکا تھا..... وہ کئی راتوں سے سکون کی نیند نہیں سو پایا تھا اور اب اس کے ذہن نے اس کا ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا وہ اب واقعی سکون چاہتا تھا۔ اسی لیے وہ آج آفس آیا تھا کیونکہ اتنے دن گھر میں رہ رہ کر اور ایک ہی بات سوچ سوچ کر وہ اب تھکنے لگا تھا۔ یہ جنگ بڑی بھاری جنگ تھی..... اس کی روح اور اسکے ضمیر کی جنگ.....

ہمیں لگتا ہے کہ ظلم کرنے والا چین سے رہتا ہے مگر نہیں..... سب سے زیادہ تکلیف میں تو ظالم ہی رہتا ہے کیونکہ ہر ذی روح فطرت پر پیدا ہوا ہے اور فطرت نیکی کی تلقین کرتی ہے اور برائی سے روکتی ہے مگر نفس..... نفس انسان کو کشمکش میں ڈال دیتا ہے اور پھر انسان

جب نفس کے شکنجے میں گھڑ جاتا ہے تو پھر اس کی اصل بے چینی، بے سکونی شروع ہو جاتی ہے پھر وہ اپنے ہی اندر ایک جنگ کرنے لگ جاتا ہے۔

”آومیاں آو..... بڑے دنوں بعد آج آفس میں قدم رکھا ہے تم نے..... کہاں غائب تھے اتنے دن..... بھول گئے ہو اکاؤنٹنٹ کے بغیر تو کوئی آفس نہیں چل سکتا اور تم..... تم نے دس دن کی چھٹی کر لی وہ بھی بتائے بغیر..... ایسی کون سی مشکل آپڑی تھی تم پر.....“ اجمل سیٹھ نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کو اس کی اوقات یاد دلادی۔

”معذرت سیٹھ کچھ ذاتی الجھنوں میں گرفتار تھا..... اب بھی ہوں مگر اب تم تو ایسے طعنہ نہ دو نا..... میرا کیرئیر اٹھا کر دیکھ لو پچھلے چار سالوں میں ایک دفعہ بھی چھٹی کی ہے میں نے..... اتورا کو بھی آکر کام کرتا تھا..... اور اب جب پہلی دفعہ چند دنوں کی چھٹی کر لی تو ایسی کڑوی زبان ہو گئی تمھاری۔“ اس نے تلخی سے سر جھٹکتے ہوئے جواب دیا اور سیٹھ کے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔

”کوئی جاندار وجہ ہوتی نا تمھاری چھٹی کرنے کی تو سمجھ بھی آتا..... کسی حسینہ کے عشق میں گرفتار مارے مارے پھر وگے تو پھر ایسی ہی باتیں سنو گے..... کم از کم مجھے تم جیسے بندے سے یہ امید نہیں تھی کہ تم بھی ایسے عقل کے اندھے نکلو گے.....“ اجمل سیٹھ نے اسے پوری طرح اپنی آنکھوں میں جذب کرتے ہوئے کہا۔

”عشق اور میں..... کس نے یہ غلط افواہیں پھیلائی ہیں..... لگتا ہے تمھارے منجر ناکارہ ہو چکے ہیں..... میں تو لڑکیوں کو گھاس تک نہیں ڈالتا پھر یہ عشق تک کیسے پہنچ گیا مجھے بھی بتاؤ ذرا.....“ اس کو تو معاملہ بڑا دلچسپ لگا..... وہ ساری ذہنی تھکن بھول کر پوری طرح اب اجمل سیٹھ کی باتوں پر متوجہ ہو چکا تھا۔

”پیسہ..... میرے بچے پیسہ ہے وہ چیز جو تمہیں عشق تک بھی لے جاسکتی ہے..... مانا کہ تم بڑے چالباز ہو مگر ابھی مجھ سے عمر میں چھوٹے ہی ہو اور اسی لیے چالبازی بھی مجھ سے کم ہی جانتے ہو..... یہ جو ناز بیگم کے پیچھے لگے ہو، یہ تو بڑی بڑی جائیدادوں کی مالک نکلی ہے..... اور یقیناً تم نے اس کے شکار کا سوچ رکھا ہے تاکہ اس کی دولت ہتھیا سکو اسی لیے اس کے بارے میں معلومات نکلوانے کا کہا تھا تم نے؟؟؟“ اجمل سیٹھ بات ختم کر کے پیچھے ہو بیٹھے اور پھر خود ہی اپنے اندازے کے درست ثابت ہونے پر خوش ہونے لگے تھے کہ عمر کے الفاظ نے ان کو غلط ثابت کر دیا۔

”پیسے کا نشہ تو ہے مجھے سیٹھ..... مگر عورت کا نہیں..... وہ عورت تو اس لیے میرا شکار بنی کیونکہ وہ مجھے رسوا کر رہی تھی مگر میں نے اسے کامیاب نہیں ہونے دیا وہ کہہ رہی تھی عمر مکمل نہیں ہے..... اور اسے یہی بتانے کے لیے کہ عمر کتنا مکمل ہے اور عمر کو رسوا کرنے کا کیا انجام ہوتا ہے اس کے بارے میں پتہ کروایا ہے میں نے..... بہت کوئی اعلیٰ چیز سمجھتی ہے نا خود کو میں بتاؤں گا اسے کہ اعلیٰ رتبہ ہوتا کیا ہے..... پھر میں بھی دیکھتا ہوں کیسے وہ ناز بیگم وہ سب روک پاتی ہے جو عمر کرے گا.....“ حقارت ہی حقارت تھی اس کے لہجے میں۔

”جو بھی کرنے جا رہے ہو میرا مشورہ ہے چھوڑ دو، روک لو خود کو..... اس کامیاں بہت پہنچا ہوا ہے... وہ جیت جائیں گے اور تم..... تم ہارو گے بھی اور برباد بھی ہو جاؤ گے..... اس لیے ابھی سے سنبھل جاو.....“ اجمل سیٹھ نے اسے خبردار کیا۔

”انہیں میرے بارے میں بتائے گا کون.....“ عمر پیچھے ہٹنے والا نہیں تھا۔

”وہ بہت زیادہ پہنچے ہوئے ہیں.....“ اجمل سیٹھ نے سمجھانے کی ایک اور کوشش کی۔

”مگر دو نمبری مجھ سے زیادہ نہیں جانتے ہونگے سیٹھ.....“ وہ طنزیہ مسکرایا۔

”یہ بتاویہ لڑکیوں کو نوکری پہ رکھنے کا رواج کیسے ڈال دیا تم نے؟؟“ عمر نے موضوع بدلا۔

”تمہیں کیسے خبر ہوئی؟“ سیٹھ اجمل کچھ چونکا۔

” آفس نہیں آ رہا تھا مگر خبر میں پل پل کی رکھتا ہوں۔“ اس نے تھوڑا رعب ڈالنے کی کوشش کی مگر وہ بھول چکا تھا مقابل اس سے زیادہ ہوشیار ہے اپنی عمر کی بدولت.....

” اب آفس میں تھوڑی رنگینی کی بھی ضرورت ہے..... روکھا پھیکا کام کر کے تھک چکے ہیں ہم.....“ اور پھر دونوں نے ایک انتہائی غلیظ قہقہہ لگایا جبکہ دونوں ہی اپنے ذہن میں اپنے اپنے منصوبے بنا رہے تھے..... یہ جو بظاہر دوسروں کے دشمن تھے وہ کہیں بہت اندر ایک دوسرے کے بھی دشمن تھے.....

” کیسی ہو بیٹا؟؟“ آج رات کھانے پر ابا نے برے دنوں بعد بڑے پیار سے مہر النساء سے دریافت کیا تھا۔

” ٹھیک اباجی.....“ اس نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

” اور وہ ہمارا شیر بیٹا زیادہ پریشان تو نہیں کرتا.....“ خوش اخلاقی سے پھر پوچھا گیا۔

” کبھی کبھی تو کرتا ہے مگر بہت اچھا لگتا ہے اباجی اس کے ساتھ..... بڑی رونق ہو گئی ہے اس کے آنے سے زندگی میں.....“ وہ خوشی سے بتانے لگی۔

” ہاں بھئی واقعی گھر میں ہر طرف رونق سی لگی رہتی ہے..... اچھا ایک بات کرنی تھی تم سے.....“

انہوں نے کہہ کر لقمہ لیا پھر ختم کر کے پھر گویا ہوئے۔

” بیٹا..... ایک بات کرنی تھی تم سے.....“ ناجانے ایسی کون سی بات کرنے لگے تھے اباجو اتنا ہچکچا رہے تھے۔



”اب تمہیں کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے..... اس طرح تو زندگی نہیں گزرا کرتی نا عمر نے تو تم سے بالکل لا تعلقی اختیار کر لی ہے اب..... نہ وہ تم سے ملنے آتا ہے نہ کوئی فون کرتا ہے، لوگ اب بہت باتیں بنانے لگیں ہیں..... میں یہ نہیں کہتا کہ تم مجھ پر بوجھ ہو..... بیٹی ہو تم میری، میری جان کا ٹکڑا ہو، میں خوشی خوشی رکھوں گا تمہیں ہمیشہ اپنے پاس..... مگر وہ جو بکھرا سا رشتہ تمہاری زندگی کا حصہ بنا ہوا ہے نا اسے اب یا تو مستقل اپنانے کا فیصلہ کر لو یا پھر مکمل طور پر چھوڑ دو..... تم جو فیصلہ کرو گی نا میں تمہارے ساتھ کھڑا ہوں گا مگر تم اب کوئی فیصلہ لازمی کر لو..... اس طرح تم ذہنی طور پر بھی سکون میں آ جاؤ گی اور زندگی بھی آسان ہو گی.....“ ابا نے بات ختم کر کے اس کا چہرہ اجانچا..

”عمر! جتنا جلدی ہو سکے آفس پہنچو..... احمر آج آفس جلدی آچکا ہے اور اس نے ساری فائلز مانگی ہیں..... ابھی تو اسے یہ کہہ کر ٹال دیا ہے میں نے کہ کام مکمل نہیں ہوا بس ایک گھنٹے میں ہو جائے گا پھر اسے فائلز دکھا دی جائیں گی..... اب تم جلدی آفس پہنچو اور کل والی لوڈنگ کو سیٹ کرو فوراً وہ کل کے حساب میں نظر نہیں آنی چاہیے وہ پورا ایک لاکھ کمال ہمارے کھاتے میں جائے گا..... اس لیے اب جتنا جلدی ہو سکے آفس پہنچو اور معاملہ ٹھیک کرو سیٹھ صاحب نے فوراً بلایا ہے تمہیں.....“ اجمل سیٹھ کے اسسٹنٹ نے عمر کو کال کر کے فوراً آفس بلایا تھا۔

”عمر تو ابھی گھر میں نہیں ہیں، ایک کام سے گئے ہوئے ہیں بس دس منٹ تک آ جاتے ہیں تو میں ان تک آپ کا پیغام پہنچا دیتی ہوں.....“ مہر النساء نے فون کرنے والے کو جواب دیا۔

”آپ کون بی بی..... آپ کو نہیں پتہ کسی کا فون بغیر اجازت نہیں اٹھاتے.....“ سامنے والا مہر النساء کی آواز سن کر کچھ چونک سا گیا مگر پھر فوراً ہی خود کو سنبھال کر اس نے مہر النساء کو اچانک سے صحیح جھڑک دیا۔

”میں عمر کی بیوی..... اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں..“ جواب دے کر اس نے فون ٹھک سے بند کر دیا اور اب اس کا ذہن خوب الجھنوں کا شکار تھا اس کے ذہن میں کئی سوالات اٹھ رہے تھے۔

”فون بج رہا تھا آپ کا.....“ عمر جب باتھ روم سے باہر نکلا تو مہر النساء نے اسے اطلاع دی اور خوب جانچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”تم نے ریسیو کیا..... کس کا تھا؟؟؟“ عمر نے چونک کر اسے دیکھا۔

”آفس سے تھا آپ کے..... کوئی فوری آفس آنے کی تلقین کر رہا تھا۔“ فوراً جواب دیا گیا۔

”میری بات سنو غور سے..... آئندہ میں کہیں بھی ہوں تم میرا فون بجنے پر بالکل نہیں اٹھاؤ گی..... سناتم نے..... یہ پہلی اور آخری دفعہ میں تم سے کہہ رہا ہوں..... اگر تم نے پھر بھی میری بات نہیں مانی تو نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی.....“ وہ قریب آ کر زور سے اس کا بازو پکڑ پر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ڈھاڑا تھا ایسا کہ مہر النساء اندر تک ڈر چکی تھی..... اور پھر بات ختم کر کے وہ اپنا فون اٹھا کر وہاں سے جا چکا تھا۔

”کن چکروں میں ہیں آپ..... ابا نے تو بتایا تھا کہ آپ ایک اچھی معروف کمپنی میں اکاؤنٹنٹ ہیں جو گارمینٹس امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس کرتی ہے مگر پھر یہ سب کیا ہے..... کیسا ریکارڈ چھپانے کی بات کی جا رہی تھی فون پر..... اور تھا کون وہ جو یہ سب باتیں کر رہا

تھا..... اور..... اور یہ اجمل سیٹھ کون ہے عمر؟؟“ عمر جب فون سن کر واپس کمرے میں آیا تو اس نے ایک ہی سانس میں سارے سوالات ایک ساتھ کر دیے اور اس کے انداز میں بہت زیادہ پریشانی عیاں تھی۔

”یہ کس قسم کے سوالات کر رہی ہو تم مجھ سے..... تمہیں پتہ کیا ہے کاروبار کے بارے میں جو میں تمہیں جواب دوں..... بات سنو بی بی تم ایک عورت ہو اور عورت جتنا گھر کی چار دیواری سے لگاؤ رکھے اتنا ہی اس کے لیے بہتر ہے..... اس گھر کے معاملات کے بارے میں صرف بات کرو تو زیادہ بہتر ہو گا اس سے باہر کی دنیا میں جھانکے کی تکلیف مت کرو ورنہ باہر کی سختیاں تمہیں زخمی کر دیں گی..... سمجھیں!“ ٹھیک ٹھاک بے عزتی کر دی گئی اور پھر تنبیہی انداز میں حکم سنا دیا گیا۔

”عورت ہوں..... مگر بے وقوف نہیں ہوں جو حلال اور حرام کا فرق نہ کر سکوں جو یہ نہ سمجھ سکوں کہ کوئی چیز چھپانے کا اور ریکارڈ مٹانے کا مطلب کیا ہوتا ہے.....“

”شٹ اپ..... جسٹ شٹ اپ!“ وہ مزید بھی کچھ کہنا چاہتی تھی مگر عمر نے اسے غصے سے خاموش کرادیا..... وہ مزید اس کے سوالوں کا جواب نہیں دینا چاہتا تھا یا پھر شاید نہیں دے پارہا تھا اس لیے اس نے اسے خاموش کرادیا۔

”مہر النساء بیٹا کہاں کھوئی ہوئی ہو اتنی دیر سے..... کیا ہو اسب ٹھیک ہے، تمہیں تمہارے ابا کی بات اچھی نہیں لگی؟؟“ اماں جواب کھانا کھانے جے بعد کچن سمیٹ کر کمرے میں آئیں تو مہر النساء کو ایک ہی حالت میں لیٹا دیکھ کر اس کے سر ہانے بیٹھ کر فکر مند سے پوچھنے لگیں۔

”اماں! ابا نے یہ کیسی بات کر دی ہے..... ٹھیک ہے عمر نے مجھ سے پچھلے چھ مہینوں سے رابطہ نہیں کیا مگر..... مگر ابھی سے فیصلہ کرنے کی بات..... اماں..... محبت کرتی ہوں میں عمر سے..... شوہر ہے وہ میرا..... میرے بچے کا باپ ہے..... ایسے کیسے میں اسکو

چھوڑنے کا فیصلہ کر لوں..... اتنا جلدی..... آپ لوگ اسے موقع تو دیں کیا پتہ اس کا دل بدل جائے وہ..... وہ لوٹ آئے آخر کو تین سال کا ساتھ ہے ہمارا ایسے کیسے وہ مجھ سے اپنی اولاد سے دور رہ سکتا ہے اماں..... یہ..... یہ سب بہت تکلیف دہ ہے اماں بہت تکلیف دہ..... “ آج وہ اپنی ماں کی بانہوں میں بلک بلک کر رو پڑی تھی، آج اسے اپنے شوہر کی محبت بے سکون کر رہی تھی..... کیسی زندگی ہو چکی تھی اس کی..... ایک طرف اولاد کی محبت اور ایک طرف شوہر کی محبت..... چنے تو کس کو چنے اور چھوڑے تو کس کو چھوڑ دے.....

”میں تمہاری تکلیف سمجھ سکتی ہوں بیٹا مگر..... مگر کیا کیا جائے اس معاملے کا اب کچھ نہ کچھ تو حل نکالنا ہی ہو گا..... لوگ اب باتیں کرنے لگے ہیں..... اب تمہیں ایک فیصلہ کر لینا چاہیے..... یا تو عمر کو منا کر عمر کی ہو جاو یا پھر یہ رشتہ ختم کر کے آگے بڑھ جاو..... یوں بڑے رہ کر زندگی نہیں گزر سکتی.....“ اس کی امی نے بھی اپنے آنسو پونچتے ہوئے بیٹی کو ایک راہ دکھانے کی کوشش کی۔ یہ گھڑی مہر النساء کے لیے بہت مشکل گھڑی تھی ناجانے اس کے مقدر میں کیا لکھا تھا۔

”اس ڈاکٹر کا لڑکا چاہیے سیٹھ مجھے..... اسے اٹھواو اور پھر اسے ایسی جگہ بند کروادو جہاں کوئی نہ ہو..... قید کر دو اسے..... اور پھر میں چاہتا ہوں اسے اتنا نارچر کیا جائے اتنا نارچر کیا جائے کہ وہ پاگل ہو جائے، اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے.....“ عمر نے آج پھر پورے مہینے بعد اس ڈاکٹر کا ذکر کیا تھا۔ ان سب حالات کو تو اب پورے چھ مہینے گزر چکے تھے مگر عمر کے سر پہ اب بھی وہ بھوت سوار تھا اور آج اس نے ایک نتیجے پر پہنچ کر اپنے ارادے کو پایہ تکمیل پر پہنچانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

”ہے کون وہ ویسے..... اب تک یہ تو بتایا نہیں تم نے؟؟“ اجمل سیٹھ نے اطمینان سے اس کی بات سن کر اس سے سوال کیا۔

”ناز وہ عورت ہے جس نے عمر کو کہا کہ وہ پرنیکٹ نہیں ہے اس میں نقص ہے سیٹھ..... اور میں اس کو بتانا چاہتا ہوں کہ جب کوئی آپ سے اس طرح کی بات کہتا ہے نا تو کیسا محسوس ہوتا ہے.....“ اس نے سیٹھ کی سیکریٹ کی دبی سے ایک سیکریٹ نکال کر کش لیتے ہوئے کہا۔

”دیکھ لڑکے ایک پتے کی بات سمجھا رہا ہوں..... دھیان سے سمجھ لے آج، بڑے فائدے میں رہے گا ساری عمر..... یہ جو پنگا تو لینا چاہ رہا ہے نا یہ پنگے تب ہی لینے چاہئیں جب ہاتھ میں طاقت کا جھنڈا ہو اور پیسے کی ریل پیل ہو، خالی خولی کی شوخیوں اور چالاکی سے کچھ نہیں ہونا تم نے خود ہی اپنے جال میں پھنس جانا ہے اور اب اس کے بعد بھی اگر تمہارا نشہ نہیں اترتا نا تو آزما کر دیکھ لو..... میری ہی بات سچی ثابت ہوگی۔“ اور پھر اجمل سیٹھ دوبارہ سے اپنے کام میں لگ چکا تھا۔

”ایک بات کرنا چاہتی ہوں میں تم سے عمر.....“ وہ آج پھر رات میں آفس کے بعد عمر کے ساتھ آؤٹنگ پر نکلی تھی، انہوں نے بہت مزے کاڈنر کیا ساتھ اور پھر اب وہ لوگ واک کر رہے تھے ایک لمبی خاموش سڑک کنارے.....

”شادی کرنا چاہتی ہوں تم..... جانتی ہوں مجھے یہ بات نہیں کرنی چاہیے مگر..... محبت جو کرتی ہوں تم سے پھر اب شرمنا کیسا..... اپنے ماں باپ کو لے کر میرے گھر آؤ، میرے ماں باپ سے بات کرو، میرا ہاتھ مانگو اور اپنا لو مجھے.....“ وہ کہہ گئی جو وہ کہنا چاہتی تھی۔

”مگر میں نے تو کبھی تم سے شادی کے وعدے کیے ہی نہیں تھے.....“ وہ حیران نہیں ہوا تھا اس کی بات سن کر کیونکہ وہ اپنے لیے اس کی پسندیدگی جانتا تھا۔ اور یہ اس کے ساتھ پہلی دفعہ نہیں تھا پہلے بھی کئی لڑکیاں اس پر مرچکی تھیں، قدرت نے اس میں بڑی کشش رکھی تھی اسی بات کا تو اسے غرور تھا۔



” مگر پھر بھی میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔

” اگر..... شادی کے بعد تمہیں پتہ چلے کہ میں پہلے سے شادی شدہ تھا تو.....“

” میں تمہیں اتنی محبت دوں گی کہ پھر صرف تم میرے ہو کہ رہ جاؤ گے.....“

” یہ تم لڑکیوں کو خود پر، اپنی وفاداری پر کتنا گھمنڈ ہوتا ہے نا..... پھر وقت آنے پر تم پر نکالتی ہو اپنا حق جتانے لگتی ہو چاہتی ہو کہ وہی

کیا جائے جو تم چاہتی ہو..... عجیب دوغلی ہوتی ہو تم لوگ.....“ وہ بہت تلخ لہجے میں بات کر رہا تھا، اب تو شادی وادی کا اس کا کچھ ارادہ

ہی نہ تھا۔ مگر انسان کی مرضی سے کب کچھ ہوتا ہے، سب کھیل قسمت کے ہیں۔

” تم اس طرح بات کیوں کر رہے ہو.....“ وہ روہانسی ہونے لگی۔

” تاکہ تم اچھے سے سمجھ جاؤ کہ میں کوئی شادی وادی نہیں کر رہا تم سے.....“ وہ دو ٹوک لہجے میں کہہ گیا۔

” عمر..... ایسا مت کرو میرے ساتھ..... میں نے تمہارے خواب سجائے ہیں اپنی آنکھوں میں.....“ اور ایک بوند اس کی آنکھ

سے ٹپکی۔

” تو میں نے نہیں کہا تھا تم سے.....“ وہ کہتا ہوا اکھڑا ہوا اور پھر وہ رکنا نہیں وہ تو وہاں سے جا رہا تھا اور وہ لڑکی..... وہ وہیں پیچھے رہ گئی

تھی.... اکیلی تہا۔

” میں تمہارے ساتھ ایک لمحہ نہیں رہنا چاہتی..... ایک لمحہ سنا تم نے.....“ انا بیہ چلائی تھی۔

” تو تمہیں کیا لگتا ہے میں مر رہا ہوں تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے..... میں تمہیں بتاؤں تم میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھیں..... میں نے اندھوں کی طرح تم جیسی لالچی اور کم ظرف عورت سے شادی کر کے اپنی زندگی بھی برباد کی اور اپنے باپ کا بھی دل دکھایا..... مگر اب میں تمہیں اپنی اولاد کے ساتھ برا نہیں کرنے دوں گا بتا رہا ہوں میں تمہیں..... حسنہ تو میرے ہی پاس رہے گی..... چاہے تم کچھ کر لو.....“ وہ جو اس کا شوہر تھا جس سے اس نے پسند کی شادی کی تھی ڈھارا تھا۔

” اور میں تم سے اسے چھین کے رہوں گی یاد رکھنا..... تمہیں آباد تو میں دیکھنا ہی نہیں چاہتی.....“ وہ جنونی ہو چکی تھی۔

” صرف چھ مہینے بس..... یاد رکھنا ان چھ مہینوں میں میں تمہیں تمہاری اوقات یاد دلا دوں گی..... نہ تم اس بچی کو اپنا سکو گے، اور نہ ہی تم دو وقت کی روٹی کھانے کے قابل رہو گے..... تم ٹھیک سے اب تک جانتے ہی نہیں ہو کہ میں کس قسم کی عورت ہوں..... اب دیکھنا تم انا بیہ ہے کیا.....“ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رعب سے غرائی تھی۔

” صاحب جی..... صاحب جی چھوٹے صاحب گھر میں نہیں ہیں پتہ نہیں کہاں چلے گئے..... ان کے کالج جانے کا وقت ہو چکا تھا میں انتظار کرتا رہا تھا باہر جب نہیں آئے تو اندر بلاوا بھیجا تو پتہ چلا وہ گھر میں ہیں ہی نہیں.....“ ڈرائیور نے اختر کے جو گنگ سے آتے ہی فوراً اس کو اس بری خبر کی اطلاع دی.....

” کیا..... کیا کہہ رہے ہو تم دماغ خراب ہے تمہارا..... ایسا کیسے ہو سکتا ہے.....“ خبر سن کر تو اختر کے ہاتھ پیر ہی پھول گئے وہ فوراً گھر کے اندر بھاگے۔

” حماد..... حماد..... کہاں ہو حماد تم سنو..... بیٹا پا پا بلا رہے ہیں تمہیں..... حماد.....“

”از میر خان! گاڑی نکالو فوراً..... اور شہر میں ڈھونڈو..... میں بتا رہا ہوں میرے بیٹے کو ایک بھی آنچ نہیں آنی چاہیے.....“ وہ بے چینی سے ٹہلتے ہوئے بولے۔

”ہاں انسپکٹر..... میرا بیٹا گھر میں نہیں ہے..... شہر میں ناقہ لگاؤ وہ باہر نہیں جانا چاہیے..... میرے بہت دشمن ہیں انسپکٹر تم جانتے ہو..... مگر یاد رکھنا میرے بیٹا کو کچھ نہیں ہونا چاہیے کچھ بھی نہیں.....“ کہہ کر فون رکھ دیا گیا اور پھر خود بھی وہ گاڑی لے کر ایک جگہ جانے کے لیے نکل چکے تھے۔

”اسلام علیکم! کہاں ہو فاطمہ..... بڑے دنوں بعد فون کیا تم نے بھی شادی کے بعد سے تو بالکل بھول ہی چکی ہو.....“ مہر النساء جب صبح ناشتے سے فارغ ہوئی تو اس کی سب سے قریبی پرانی سہیلی کا فون آگیا۔

”وعلیکم السلام! کہاں کھونا ہے میں نے بس شادی کے بعد عمیر کے ساتھ کینیڈا جانے کی تیاری تھی پھر سب مراحل طے کر کے ہم وہاں گئے بھی مگر بس میں نہ رہ سکی وہاں اس لیے اس سال میں واپس آگئی اور پھر دوبارہ سے یہاں سیٹل ہونا..... ان سب چیزوں میں کافی وقت لگ گیا اب فارغ ہوئی ہوں چھ مہینے بعد تو سوچا تمہارا پتہ کروں..... وقت نکالو چلو آج شام ملتے ہیں..... ٹھیک ہے میں جگہ تمہیں میسج کر دیتی ہوں....“ اور پھر ان دونوں نے شام کا پلان بنا کر فون رکھ دیا۔

”بہت دکھ ہوا تمہاری کہانی سن کر..... اتنا سب کچھ ہو گیا تمہاری زندگی میں اور میں تم سے غافل رہی..... تمہاری واحد دوست تھی میں..... ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا مجھے تمہارے ساتھ..... ہم بعض دفعہ اپنے آپ میں کتنے مصروف ہو جاتی ہیں نامہر النساء کہ جن

لوگوں کے بغیر کبھی ہم ایک پل نہیں جی سکتے تھے ان کے بغیر سالوں گزارنے لگ جاتے ہیں.....“ فاطمہ واقعی دل سے اداس تھی اسے افسوس تھا کہ وہ مشکل وقت میں اپنی محبوب دوست کے ساتھ نہیں تھی۔

”ایسا نہیں ہے یار..... سب کی اپنی اپنی مصروفیت ہوتی ہی ہے ایسے میں بندہ اپنے بارے میں ہی سوچنے سے فارغ نہیں ہوتا کہ دوسرے کا سوچے..... تم دل چھوٹا مت کرو..... بس ایک مشورہ درکار ہے مجھے تم سے..... میں گھر میں قرآن تو پڑھا رہی ہوں مگر میں ساتھ کچھ اور بھی کرنا چاہتی ہوں..... تم جانتی ہو مہنگائی کتنی ہے مجھے ابھی سے ہی کوئی ایسی جاب تلاش کرنی ہوگی کہ میں بچی کو کسی اچھے اسکول میں داخلہ دلوں اسکوں، اس کو بہتر مستقبل دے سکوں اور میں کوئی راستہ نہیں تلاش کر پار ہی، کوئی سہا تھا نہیں آ رہا.....“ مہر النساء نے اپنی پریشانی بانٹی۔

”تو تم فری لانسنگ کیوں نہیں کر لیتی، آجکل تو فری لانسنگ کا کتابڑا اسکوپ ہے اور اس میں تمہیں ترقی بھی ملے گی.....“ فاطمہ نے اسے مشورے سے نوازا۔

”اسکوپ ہے اسی لیے تو فری لانسنگ میری جیسی عام سی لڑکی کے لیے مشکل ہے جس کو تعلیم ختم کیے ہوئے بھی تقریباً پانچ سال گزر چکے ہیں..... اب تو فری لانسنگ میں بھی کسی نئے کے لیے کام کرنا بہت مشکل مرحلہ بن چکا ہے، ایسے ہی نہیں دیتا کوئی جاب، بہت پاپربیلنے پڑتے ہیں..... ہمارے بس کی بات نہیں ہے یہ..... ٹاپنگ جاب وغیرہ کے بارے میں سنا ہے میں نے کچھ کمپنیز کر رہی ہیں آج کل یہ کام..... بس ایک رجسٹریشن فیس دینی پڑتی ہے اور پھر جاب مل جاتی ہے فوراً.....“

”بالکل بھی نہیں پڑنا ان چکروں میں..... یہ سب اس کام ہوتے ہیں، لوگوں کو بے وقوف بنا کے یہ لوگ بس پیسے بنا رہے ہیں اور کچھ نہیں..... اب تم خود سوچو اسکول میں جب ٹیچنگ کے لیے جاتے ہیں تو جاب دینے کے لیے کیا کوئی فیس لی جاتی ہے، یا پھر کسی آفس میں نوکری دینے سے پہلے کوئی فیس لی جاتی ہے کیا..... نہیں نا..... تو پھر..... خود سوچو یہ کیسی جاب ہے جس میں داخلے کے لیے بھی فیس مطلب ان کے لیے ہی کام کرو مگر کام کرنے سے پہلے بھی اجرت دو..... ہو سکے تو میرے باتوں پر غور ضرور کرنا.....“ اور پھر وہ دونوں کھانا ختم کر کے وہاں سے نکل چکے تھے۔

”تمہارا لڑکا کہاں ہے..... دیکھو یہ نہ کہنا کہ تم نہیں جانتے کیوں کہ تم سے بہتر اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا اس لیے مجھے جتنا جلدی ہو سکے مطلع کر دو ورنہ میرے بارے میں تو تم خوب جانتے ہو اجمل سیٹھ اس بات سے تو میں بھی واقف ہوں..... آخر کو تمہارا بھی بڑا نام ہے معاشرے میں.....“ سخت لہجے میں دھمکی آمیز انداز میں پوچھا گیا۔

”لڑکا بالکل بھی میرا نہیں ہے، ہاں کام میرے ساتھ کرتا ہے مگر وہ بہت سر پھرا ہے کب اس کے ذہن میں کیا بات آجائے اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا اور کس وقت وہ کہاں جاتا ہے کس سے ملتا ہے، اس کی زندگی میں کون کون لوگ ہیں ان سب باتوں کی اس نے کبھی مجھے خبر نہیں ہونے دی، وہ اپنی ذاتیات سے ہمیشہ ہی ہر کسی کو دور رکھتا رہا ہے اور اب بھی وہ کہاں ہے، کس کے پاس ہے ان سب باتوں کا مجھے کچھ علم نہیں ہے، وہ پچھلے کچھ دنوں سے ذہنی الجھنوں کا شکار تھا اور کل ہی ایک ہفتے کی چھٹی لے کر گیا ہے اب کہاں گیا ہے اس بات کا تو مجھے کچھ علم نہیں ہے..... تمہیں پتہ کرنا ہے تو تمہاری پہنچ بھی تو بہت اوپر تک ہے کروالو پتہ اس کا..... کس نے روکا ہے تمہیں اور ہاں اگر ہو سکے تو مجھے بھی اس کے بارے میں کچھ بتادینا پھر.....“ اجمل سیٹھ نے دو کافی منگوا کر ایک کپ خود لیا اور ایک ان کے آگے کر دیا اور پھر بات ختم کر کے کافی پینے میں مگن ہو گئے۔

”ڈھونڈ تو میں نکالوں گا اسے..... مگر ایک بات یاد رکھنا میرے بیٹے پر اس نے ہاتھ ڈالا ہے اب اگر آگے چل کر یہ بات کھلی کہ تم بھی اس کے ساتھ ملوث تھے تو پھر بچو گے تو تم بھی نہیں میرے ہاتھوں..... ہر ایک کو حساب دینا ہو گا.....“ بات ختم کر کے اختر صاحب وہاں سے جا چکے تھے اور ان کی کافی وہیں پڑی رہ گئی تھی۔



”باجی جی ایک بات پوچھنی تھی جی؟؟“ آج جب وہ سبق پڑھاچکی تو ایک عورت نے مہر النساء سے سوال کیا۔

”ضرور پوچھیں.....“ وہ عورت زیادہ بڑی عمر کی نہ تھی، تین بچے تھے اس کے اور وہ اپنے بچوں کو روز مدرسے چھوڑ کر پھر خود یہاں قرآن پڑھنے آتی تھی۔

”باجی جی اب تو ٹیکنالوجی کا دور ہے..... اب تو آپ یہ قرآن آرام دہ ہو کر گھر میں بیٹھ کر بھی سکھا سکتی ہیں پھر بھی ہر روز ایک باقاعدہ کلاس لگاتی ہیں، پورا مدرسہ والا ماحول بناتی ہیں، کیا وجہ ہے جی.....؟؟“ کیا خوب سوال کیا تھا اس خاتون نے۔ بھی۔

”بالکل ٹھیک کہا آپ نے گھر میں بیٹھ کر بھی آرام دہ ہو کر قرآن پڑھایا جاسکتا ہے..... مگر کیا آپ نے کبھی سوچا ہے ہم کھانا بنانے کے لیے بھی کچن میں جاتے ہیں بیڈروم میں بیٹھ کر کھانا نہیں بنالیتے کیوں.....، کیوں مرد کمانے کے لیے گھر سے باہر جاتے ہیں اور جو گھر میں کماتے ہیں وہ بھی ایک کمرہ اپنے آفس کے طور پر استعمال کر کے پھر ہی اپنے کام اپنی جاب کر سکتے ہیں، بستر پر لیٹے لیٹے کام نہیں کیا جاسکتا، تو جب ہم باقی کے سب کاموں کے لیے اتنی مشقت اٹھاتے ہیں تو قرآن پڑھنے کے لیے کیوں تھوڑی سی مشقت نہیں کر سکتے..... اس کے ادب کا خیال کیوں نہیں رکھ سکتے..... کیونکہ ہم اسے باقی چیزوں جتنا ضروری نہیں سمجھتے ہے نا..... یہی بات ہوئی نا پھر..... ہم تجربہ کر چکے ہیں کہ ماحول کے بغیر کسی بھی کام کو سرانجام دینا بہت مشکل ہے، جب تک ایک خاص ماحول میں نہیں آئیں گے آپ کی طبیعت اس کام کو کرنے پر آمادہ نہیں ہوگی، نہ آپ ذہنی طور پر کام کرنے کے لیے تیار ہونگے اور نہ ہی آپ کی طبیعت کی سستی اور کاہلی آپ کو وہ کام کرنے دے گی..... اس لیے مکمل ماحول بنانا بہت ضروری ہے اس سے زندگی میں نظم و ضبط پیدا ہوتا ہے، اگر آپ واقعی کوئی مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں نا تو اپنے ساتھ زبردستی کرنا، جبر کرنا بہت ضروری ہے..... خود کو آرام کا اتنا عادی نہیں بنانا چاہیے کہ اگر کبھی مشکل پر جائے تو جسم ساتھ نہ دے..... آپ کے اوپر ضروری نہیں ہے ہمیشہ ہی کوئی سختی کرنے والا ہو کبھی کبھار زندگی میں اپنا بڑا خود بننا پڑتا ہے، خود کے لیے خود اصول بنانے پڑتے ہیں، اپنے ساتھ سختی کرنی پڑتی ہے تبھی تو پھر آپ اپنی محنت کا پھل پاتے ہیں..... اور ایک بات میں آپ کو بتاؤں یہ جو اتنے قدم آپ چل کر یہاں آتے ہیں نا ان سب قدموں پر آپ کے لیے نیکیاں لکھی جا رہی ہوتی ہیں اور پھر جتنی دیر آپ اس کلاس کا حصہ رہتے ہیں نا اس پورے وقت میں آپ کا ایمان اتنے بلند درجے

پر ہوتا ہے کہ اگر گھر میں آرام دہ ہو کر آپ قرآن سیکھ رہے ہوں گے تو کبھی ایمان کے اس درجے کو نہیں پہنچ پائیں گے..... اسی لیے  
میں ہر روز ایک باقاعدہ ماحول کا اہتمام کرتی ہوں۔“ مہر النساء نے تفصیلی جواب دیا۔









# ناولز کی دنیا

کے گروپ سے آپ کیا سیکھ سکتے ہیں

ناولز کی دنیا سے آپ مندرجہ ذیل پوائنٹس کو فالو کر کے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں کیونکہ یہ اردو ادب کا سب سے بڑا پلیٹ فارم ہے

- ✓ نئے لکھاریوں کی حوصلہ افزائی اور سیکھنے کے لیے بہترین پلیٹ فارم
- ✓ ہر خاص موقع پر انعامی سرگرمیوں کا انعقاد
- ✓ اردو ادب کے بہترین اور شاہکار ناول
- ✓ آپ ایڈیٹرز سے کسی بھی وقت کسی بھی طرح کی ایڈٹ شوا سکتے ہیں۔
- ✓ اچھا لکھنے والوں کو سیکھنے کے لیے ٹیم کے ساتھ کام کرنے کا سنہری موقع
- ✓ بہترین پوسٹیں کرنے والوں کے لیے پری اپرول
- ✓ بہترین اور سازگار ماحول
- ✓ تعاون کرنے والی انتظامیہ

مزید دلچسپ اور شاندار ناول پڑھنے کے لیے ہماری آفیشل ویب سائٹ کا وزٹ کریں

WWW.NOVELSKIDUNIYA.COM

WWW.NOVELSKIDUNYA.COM



**Novels Ki Duniya**

@ZOYATALIB77 (PAGE USER NAME)

”جانتا ہے کیوں ہے تو یہاں لڑکے..... کیونکہ تیری ماں نے میرے بچے کو پاگل کہا تھا..... عمر عبدالعزیز کے بچے کو..... کیسا ہے نا یہ جہاں بھی ماں باپ کا کیا ڈھرا اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے، وہ سوچتے ہی نہیں ہیں کہ ان کے کیے کی سزا سے ہماری اچھی بھلی زندگی برباد ہو جائے گی..... ایک سال سے..... پورے ایک سال سے میں تیری طاق میں بیٹھا تھا اور آج آخر کار تو میری دسترس میں آیا ہے..... اور ایک بات بتادوں میں تجھے میرا مقصد تجھے تکلیف پہنچانا نہیں ہے اس لیے تو گھبرانا نہیں..... مجھے تو بس تیری ماں کو اس کے الفاظ کی سزا دینی ہے اس لیے تو پریشان نہ ہونا..... پتہ ہے وہ سیٹھ ہے نا اس کو کہا تھا میں نے کہ میرے لیے یہ کام کر دے مگر وہ بڑا ہی مطلبی ہے..... اپنے لیے تو بندے مار ڈالے گا اور میرے لیے تجھے نہ اگوا کر واسکا مگر خیر میں نے خود کر ہی لیا یہ کام..... بس اب کچھ دن رکھوں گا تجھے یہاں پھر تو واپس اپنے گھر چلا جائے گا.....“ عمر نے اپنی سامنے کرسی پہ بیٹھے رسیوں سے بندھے لڑکے سے یہ سب باتیں اتنی آرام سے کیں جیسے یہ سب بہت عام سی باتیں تھیں۔

”پاگل ہو کیا تم..... اور..... اور میری ماں کیوں تمہارے بچے کو پاگل کہیں گی وہ تو ڈاکٹر ہیں..... جتنا ان کے دل میں احساس ہے اتنا کسی کے دل میں ہو ہی نہیں سکتا..... ہو کون تم آخر.....“ وہ لڑکا بہت پریشان اور گھبرایا ہوا تھا..... اس کی شکل ایسی ہو رہی تھی جیسے وہ ابھی رو دے گا۔ اس نے ساری زندگی بھی ایسے ہی گزاری تھی لاڈ پیار میں..... مجال ہے جو ایک آنچ بھی آنے دی ہو اسے اس کے ماں باپ نے اسے.....

”میں کون ہوں..... چل آج تجھے بتاتا ہوں میں کون ہوں..... اب تک کبھی کسی کو کھل کے بتایا نہیں مگر تجھے بتاتا ہوں.....“ اور پھر عمر نے وہاں رکھی پانی کی بوتل سے ڈھیر سارا پانی پی کر کہنا شروع کیا۔

”میں کون ہوں..... چل آج تجھے بتاتا ہوں میں کون ہوں..... اب تک کبھی کسی کو کھل کے بتایا نہیں مگر تجھے بتاتا ہوں.....“ اور پھر عمر نے وہاں رکھی پانی کی بوتل سے ڈھیر سارا پانی پی کر کہنا شروع کیا۔



” اکلوتا بیٹا ہوں میں اپنے ماں باپ کا..... واحد اکیلا..... بالکل تیری طرح، مگر میرا باپ..... میرا باپ تیری طرح امیر نہیں تھا وہ غربت کا مارا تھا..... مگر پھر وہ امیر ہو گیا جانتا ہے کیسے..... اس نے کسی بڑی سوہنی امیر لڑکی سے شادی کر لی اور ایک پتے کی بات بتاؤں تجھے وہ بڑی ہی کوئی پیسے والی تھی..... بہت زیادہ..... اتنی ہی جتنا تیرا باپ ہے..... پھر پتہ ہے کیا ہوا..... جو اب میرے ساتھ ہو گا..... مگر تو دیکھنا میں اپنے ساتھ یہ نہیں ہونے دوں گا۔“ وہ کہتے کہتے کھڑا ہوا۔

میرے باپ کی دوسری بیوی کے ابے کو پتہ لگ گیا کہ وہ پہلے سے شادی شدہ ہے اور تب ہی میری ماں کو بھی پتہ لگا کہ میرا باپ پل بھر میں جو پچھلے سال سے امیر ہوا بیٹھا ہے اس کے پیچھے راز کیا ہے..... بس پھر کیا تھا کہیں کانہ چھوڑا اس آدمی نے میرے ابا کو جیسے اب تیرا باپ مجھے ذلیل و رسوا کر دے گا سارے زمانے میں.....“

” عمر قید کی سزا دلوا دی میرے ابا کو اس آدمی نے..... میرا بھی نہ سوچا..... یہ جو تیرے ابا جیسے بڑے لوگ ہوتے ہیں نا احماد ان کے پاس پیسے کی ایسی چمک ہوتی ہے کہ وہ کسی دوسرے کے بارے میں سوچ ہی نہیں پاتے اس کا گھر بار بچے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا ان لوگوں کو پھر وہ اپنی اس پیسے کی طاقت سے غریب آدمی کو ختم کر کے رکھ دیتے ہیں معاف نہیں کرتے وہ بڑے ہو کر بھی اپنا دل بڑا نہیں کر پاتے..... اور جو مجھ جیسے، میرے باپ جیسے لوگ ہوتے ہیں نا ان کے پاس معاف کرنے کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا..... کیونکہ ہمارے پاس پیسے جیسی طاقت نہیں ہوتی جو کورٹ کچہری جھیل سکے..... اور جیل میں سڑتے سڑتے ہی میرا باپ ایک سال کے اندر اندر مجھے چھوڑ کے ہمیشہ کے لیے چلا گیا..... مگر میں تیرے باپ کو میرے ساتھ ایسا نہیں کرنے دوں گا کیونکہ مجھے ابھی نہیں مرنا..... مجھے تو ابھی تیرے باپ کے برابر آنا ہے..... اس لیے تیری ماں سے بدلہ میں اس چور راستے سے لے رہا ہوں“

” خاموشی سے اپنا کام کروں گا اور بھاگ جاؤں گا اور کسی کو خبر تک نہیں ہوگی..... ٹھا.....“ وہ اپنی کہانی سنا چکا تھا اور ساتھ ہی اس نے ہاتھ میں موجود پانی کا گلاس زور سے دیوار میں دے مارا تھا۔



”صاحب جی! صاحب جی..... چھوٹے صاحب مل چکے ہیں..... انہیں لایا جا رہا ہے.....“ ملازم نے آکر اختر کو اطلاع دی، آج پورے تین مہینے بعد انہیں یہ خبر ملی تھی جسے سننے کے لیے ان کے کان ترس چکے تھے اور ناز..... ڈاکٹر ناز کا تو اپنے بیٹے کی گمشدگی کے بعد سے بہت برا حال تھا، آخر کو ایک ہی اولاد تھی ان کی۔

”کہاں ہے..... کہاں سے ملا ہے، کس نے کی تھی یہ حرکت، کچھ پتہ چلا..... چھوڑوں گا نہیں میں اسے بالکل بھی..... اس شخص کو میں نے ختم کر ڈالنا ہے اس نے میرے بیٹے کو ہاتھ بھی کیسے لگایا۔

”صاحب جی ایک جگہ سے فون آیا تھا کہ چھوٹے صاحب وہاں موجود ہیں..... فون کس نے کیا، اسے کیسے پتہ چلا کچھ پتہ نہیں..... اور فون بھی وہیں موجود میڈیکل اسٹور سے کیا گیا تھا..... ایک بات اور صاحب جی..... چھوٹے صاحب کی حالت کچھ ٹھیک نہیں ہے.....“ ملازم نے پھر تفصیلی اطلاع دی۔

”ایسے کیسے کچھ نہیں پتہ چلا..... اور..... اور حماد کو کیا ہوا ہے؟؟؟؟“

”صاحب وہ ذہنی طور پر کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے..... باقی تفصیل سے تو وہاں جا کر ہی پتہ چلے گا کہ معاملہ کیا ہے...“

”گاڑی نکالو فوراً..... اور ہاں ناز کو میں نے نیند کی گولیاں دے کر سلا یا ہے، اندر جا کر ملازمہ کو بتادیں کہ اسے نہ جگایا جائے اور اگر وہ جاگ بھی جائے تو ابھی اسے حماد کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔“

اور پھر وہ لوگ وہاں سے جا چکے تھے۔

”کیسی طبیعت ہے ڈاکٹر صاحب اب حماد کی؟؟“ اختر نے فوراً ہسپتال پہنچ کر ڈاکٹر سے پوچھا، ان کے چہرے پہ سخت پریشانی کے آثار تھے۔

”فلحال تو بہتر نہیں ہے..... اور شاید بہتری میں کافی زیادہ وقت لگے..... اس کی استطاعت سے زیادہ ہائی والٹ پر اسے شاک دیے گئے ہیں جس سے اس کی ذہنی حالت کافی متاثر ہوئی ہے یہ فلحال ایک نارمل انسان کی طرح رد عمل نہیں دے سکے گا اسے تقریباً بھی ایک سال لگے گا مکمل صحت یاب ہونے میں..... اب سے آپ نے اس کے لیے گھر میں ایک میل نرس کا انتظام کرنا ہو گا کیونکہ ذہنی کمزوری کی وجہ سے کچھ عرصہ یہ محتاج ہی رہے گا..... یہ آپ کو نہیں بتا پائے گا کہ کب اسے بھوک لگی ہے یا اسے کب نیند آرہی ہے..... آئی ایم سوری..... میں جانتا ہوں یہ سب بہت تکلیف دہ باتیں ہیں، کسی بھی ماں باپ کے لیے ان باتوں کو تسلیم کرنا مشکل ہے، خاص کر اتنے جوان بیٹے کے لیے..... مگر یہی حقیقت ہے... اور یہ پولیس کیس معلوم ہوتا ہے..... آپ سمجھ سکتے ہیں معاملات..... امید ہے پولیس کو مطلع کرنے سے ہمیں نہیں روکا جائے گا۔“ ڈاکٹر نے تفصیلاً بتا کر کچھ دوائیاں لکھ دیں اور اب وہ وہاں سے جا چکے تھے اور اختر..... اس کا شک یقین میں بدل چکا تھا..... اور اب اس نے اپنے بیٹے کی ایسی حالت کرنے والے کو زندہ زمین میں گاڑ دینا تھا۔

”میری بچی..... ڈیرھ سال ہو چکا ہے اب تو، کچھ ناکچھ تو فیصلہ کرنا ہی ہو گا نا تمہیں اب..... اپنے لیے نہ سہی اپنے بچے کے لیے ہی آگے بڑھنے کا سوچو..... کب تک یوں ٹوٹی پھوٹی کشتی میں سوار رہو گی، اور کس طرح اس بچے کو پروان چڑھاو گی..... اور بچی جیسے بچے کی اکیلے کب تک تربیت کرو گی میری جان..... میں سمجھ سکتا ہوں عمر کے لیے تمہارے جذبات مگر جو کچھ تمہارے ساتھ ہو اوہ بھی زندگی کا ایک حصہ ہے..... زندگی ہمیشہ ویسی نہیں رہتی جیسی ہم سوچتے ہیں، وہ کبھی امتحان بھی بن جاتی ہے..... مگر ہمیں اس طرح راستے میں رکنا نہیں چاہیے آگے بڑھنا چاہیے، ہر امتحان سے گزرنا چاہیے...“

آج پھر اتنے دنوں بعد ابا اس کے پاس اسے وہی بات سمجھانے آئے تھے جس سے وہ بس منہ ہی چھپاتی پھرتی تھی۔ وہ اپنے ذہن میں موجود خدشات، احساسات کسی چیز کا ذکر اپنے والدین سے نہیں کر پار ہی تھی مگر آج..... آج وہ خاموش نہ رہ سکی۔

”کیسے ابا..... کیسے آگے بڑھ جاؤں میں آپ بتائیں..... اگر میں خود کو ذہنی طور پر سمجھا بھی لیتی ہوں اور عمر سے رشتہ ختم بھی کر لیتی ہوں تو آپ بتائیں کون اپنا گامچل اس بچے کے ساتھ..... اس کے باپ نے مجھ سے سارے تعلقات اسی لیے ختم کیے ناکہ یہ بچہ عام بچوں کی طرح نہیں ہے تو پھر کوئی اور جو اس کا باپ بھی نہیں وہ کیسے اسے قبول کر لے گا ابا..... میں یچی کا سہارا بننا چاہتی ہوں ابا..... میں نہیں چاہتی کہ میں بھی اس کے باپ کی طرح خود غرض ہو جاؤں اور اسے اس بھری دنیا میں اکیلا چھوڑ دوں..... یہ بہت معصوم ہے ابا اور مجھے اگر اس کی معصومیت اور اپنی خوشی میں سے کسی ایک چیز کو چننے کا کہا جائے گا تو میں اس کی معصومیت چنوں گی..... آپ چاہتے ہیں میں فیصلہ کر لوں آگے بڑھ جاؤں تو ٹھیک ہے جس دن کوئی ایسا شخص میری زندگی میں آگیا جو مجھے یچی کے ساتھ قبول کرے گا اور وہ بھی پورے دل سے تو میں اسی دن عمر سے خلع لے لوں گی..... لیکن تب تک آپ دوبارہ اس بارے میں مجھ سے اب کوئی بات نہیں کریں گے۔“ اس کے جواب کے آگے اس کے ابا آج خاموش ہو چکے تھے..... اب وہ یہ سوچ رہے تھے کہ ان کی بیٹی ناجانے اتنی بڑی کب ہوئی کہ انہیں پتہ بھی نہ چل سکا۔

”کہاں ہو عمر؟؟ کافی دن سے غائب ہو..... یاد آرہی ہے تمہاری.....“ اس لڑکی نے آج کئی دنوں بعد پھر عمر کو فون کیا تھا۔

”آج نہیں مل سکتے کچھ مصروف ہوا بھی تھوڑا..... کچھ دن صبر کرو، ایک دو کام نمٹالوں پھر ملیں گے تسلی سے..... مجھے تم سے کچھ کہنا بھی ہے پھر..... ہیلو..... ہیلو.....“ اور عمر نے بات کرتے کرتے فون منقطع کر دیا۔ اور یہ اس نے جان بوجھ کر کیا تھا کیونکہ وہ کچھ دن

کسی سے بھی رابطہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اپنے رازوں کا بہت پکاتھا، کسی پر بھی بھروسہ نہیں کرتا تھا، اور وہ اس وقت کہاں تھا یہ راز بھی اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔

”باجی جی..... ایک بات کرنا چاہ رہی تھی آپ سے..... مگر سمجھ نہیں پارہی کروں یا نہ کروں..... کچھ شرمندگی سی محسوس ہو رہی ہے.....“

”دل کی سنو..... جو وہ کہتا ہے وہ کر گزرو۔“ مہر النساء نے ایک جامع بات کر ڈالی۔

”باجی جی میں شادی سے پہلے تہہ گزار تھی، فرائض تو میرے لیے بالکل مشکل تھے ہی نہیں..... مگر پھر..... پھر میری شادی ہو گئی، مصروفیات بڑھ گئیں پھر بچے ہو گئے تو تھکن بھی بڑھ گئی، پھر میرے نوافل چھوٹنے لگے، پھر تہہ سے بھی گئی اور پھر ایسا وقت آیا کہ فرائض میں بھی کوتاہی ہونے لگی..... اب خود پر بڑا افسوس ہوتا ہے خود سے نظریں ملانے کی ہمت ہی نہیں..... ایسا کیا کروں کہ کم از کم فرائض تو پورے کر لیا کروں؟“ وہ خاتون واقعی پشیمان تھی۔

”نوافل پھر سے شروع کر دو..... دیکھو پتہ ہے کیا..... گڑبڑ تو یہیں سے شروع ہو جاتی ہے جب ہم ایک مقام سے نیچے آتے ہیں مگر ہم..... ہم اسے اہمیت ہی نہیں دیتے پھر اس سے پیچھے ہٹتے جاتے ہیں پھر اور پیچھے اس طرح ہم ایک وقت آتا ہے جب اہم اور ضروری مقصد سے بھی پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور پتہ ہے سب سے بڑی غلطی کیا ہے ہماری..... غلطی یہ ہوتی ہے کہ جب ہم پیچھے ہٹ رہے ہوتے ہیں تو اس وقت پھر ہم واپس آگے بڑھنے کی کوشش بھی نہیں کرتے دل ہار بیٹھتے ہیں اور پھر کمزور پڑ جاتے ہیں اور یہیں سے پھر زوال شروع ہوتا ہے..... پیچھے ہٹنا اصل گناہ نہیں ہے، انسان ہیں ہو سکتا ہے ایسا ہم سے..... مگر پھر دوبارہ سے آگے بڑھنے کی

اس جگہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنا غلط ہے اور پھر یہ گناہ بھی بن جاتا ہے..... آپ بھی نوافل پر توجہ دینا شروع کریں پھر دیکھیں  
فرائض کیسے پورے ہونے لگیں گے آپ کے۔“

”ایسے کیسے فرار ہو سکتا ہے وہ..... اس نے میرے بیٹے کو الیکٹرک شاک دے کر پاگل کرنے کی کوشش کی ہے اور اب تم کہہ رہے  
ہو کہ وہ ہاتھ سے نکل گیا..... میری ایک بات سمجھ لو اچھے سے اگر وہ ملک سے بھی فرار ہوا ہے تو اسے ڈھونڈ نکالو گے تم لوگ اور وہ  
بھی زندہ..... مارنا نہیں ہے میں نے اسے برباد کرنا ہے..... برباد، جیسا اس نے میرے بیٹے کو کرنے کی کوشش کی..... سمجھے تم  
لوگ..... اب جاؤ منہ کیا دیکھ رہے ہو میرا..... کام پر لگو.....“

”کس کا بچہ ہے یہ..... چھوڑو چھوڑو میرا دوپٹہ..... پتہ نہیں کیسے ماں باپ ہیں نہ بچہ سنبھال سکتے ہیں، نہ تمیز سکھاتے ہیں..... پتہ  
نہیں پھر باہر لے کے نکلتے کیوں ہیں آخر اپنی ایسی اولاد کو..... ہے کس کا بچہ آخر یہ..... پاگل؟؟“ وہ عورت بہت چیخ چیخ کے سخت لہجے  
میں اپنا دوپٹہ چھڑواتے ہوئے بچے کو کوس رہی تھی۔

”میں..... میرا بیٹا ہے یہ میم..... سو سوری آپ کو تکلیف دی اس نے..... اس کی طرف سے میں آپ سے معذرت خواہ ہوں،  
معافی چاہتی ہوں.....“ مہر النساء فوراً سے آئی اور اس نے ڈھیر سال کے بچی کو اپنے پاس کر لیا۔

”کچھ تمیز تہذیب سکھاو اسے تاکہ آئندہ اس طرح کسی کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے تمہیں..... ہوں!“ مہر النساء کی پشیمانی پر بھی اس عورت نے بجائے ٹھنڈا ہونے کے اسے مزید دو باتیں اور سنا دیں۔ اور مہر النساء وہاں کھڑی سوچ رہی تھی کہ جو تمیز اور تہذیب اس عورت کے پاس ہے وہ پانے میں اس عورت کا کتنا اختیار تھا۔ کیسے انسان ہے ناہم بھی سمجھتے ہیں جو ہمارے پاس ہے اس پر اتنا غور کرتے ہیں کہ جیسے ہم اس کے حقدار ہوں اور ہم ہی صرف اس کے حقدار ہوں۔

”اسلام علیکم! آپ..... کون؟؟“ مہر النساء مال سے سیدھا اپنے والد کے آفس آئی تھی۔

”عاطف کہتے ہیں مجھے..... میرے والد یہاں آپ کے والد کے ساتھ پارٹنر ہیں..... وہ اب آفس نہیں آیا کرتے اس لیے میں یہاں ہوتا ہوں..... اور آپ کے ابا فحالی کچھ سائنس پر کام دیکھنے گئے ہوئے ہیں انہیں ایمر جنسی میں جانا پڑ گیا اس لیے میں یہاں ان کے آفس میں بھی کام دیکھ رہا ہوں..... آپ بتائیں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں میں..... وہ دراصل انکل مجھے بتا کر گئے تھے کہ آپ نے کسی کام سے آنا ہے.....“ اس گندمی رنگت کے گہرے نقوش والے شخص نے تفصیلی جواب دیا۔ شکل سے وہ بڑا جاذب نظر، سمجھدار اور سلجھا ہوا لگتا تھا اور بات تو اس نے مہر النساء کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہی کی تھی مگر اس کی نگاہیں اس کی پاکیزہ سوچ کا پتہ دے رہی تھیں۔

”جی وہ مجھے کام تو تھا..... مگر خیر پھر ہو جائے گا میں ابھی چلتی ہوں، شکریہ خدا حافظ!“ مہر النساء کہہ کر اٹھنے لگی۔

”عجیب لڑکی ہے..... آئی تو ضروری کام سے تھی پھر ایسے ہی چلی گئی..... کمال ہے۔“ مہر النساء کے جاتے ہی عاطف نے منہ ہی منہ میں کہا اور وہ دوبارہ سے اپنے کام میں لگ چکا تھا۔



”کچھ پتہ نہیں لگ رہا صاحب اس شخص کا..... آفس سے پتہ کیا تو پتہ چلا وہ آفس چھوڑ چکا ہے اور فیملی میں تو شاید اس کی بیوی ہی تھی اور اس کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ بچے کی پیدائش کے وقت کچھ پیچیدگیوں کی بناء پر ماں اور بچہ دونوں ہی فوت ہو چکے تھے اور یہ بھی کوئی آج سے دو سال پہلے کا واقعہ ہے اس کے علاوہ اس کے خاندان میں کوئی نہ تھا باقی وہ کہاں رہتا تھا اس بارے میں کچھ نہیں پتہ کسی کو بھی اور اس کا نمبر وغیرہ سب ٹریک کر کے دیکھ لیا ہے سب لوکیشن ٹریس کرنے کے بعد بھی کوئی سوراخ نہ ملا جو بھی نمبر اس کے ملے ہیں سارے کے سادے ہی بند ہو چکے ہیں اب..... بہت ہی کوئی چالاک نکلا ہے یہ بندہ۔“ اختر کے قریبی جاسوس نے آکر اسے تمام معلومات فراہم کی۔ اور اس طرح کی معلومات دیتے ہوئے اسے تقریباً چھ مہینے گزر چکے ہیں اور اب تو حماد کی حالت میں بھی کسی حد تک بہتری آنے لگی تھی۔

”ہاں چالاک تو وہ بہت ہے مگر..... مگر طاقتور نہیں ہے تبھی اس نے خود حماد کو اغواء کرنے کو ترجیح دی اور اس کی یہی کمزوری کا استعمال کر کے اب میں اسے برباد کر دوں گا..... معین نے اس کا ریکارڈ نکال کر بتایا ہے کہ یہ بہت ذہین اکاؤنٹنٹ تھا مگر پیسہ کمانے کی ہوس نے اسے چور راستے استعمال کرنے پر مجبور کر دیا اور اس نے اپنے کسی سینئر کی زیر نگرانی بہت زیادہ گھپلا کیا ہے کام میں ان تین سالوں میں جس میں اس نے وہاں کام کیا ہے..... اب سینئر کون تھا یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے..... بس یہ ضروری ہے ہمارے لیے کہ اس کمپنی کا مالک بہت پہنچا ہوا ہے اس تک یہ اطلاع پہنچانی ہے ہمارے آدمیوں کو ان کے پاس بھیجو..... اس عمر عبدالعزیز کو عمر قید کی سزا دلوانی ہے بس..... ایک دفعہ اس کے مالک کو یہ سب پتہ چل جائے بس پھر وہ جب بھی واپس لوٹے گا تو لازمی برباد ہو کر رہے گا..... اور واپس تو وہ ضرور لوٹے گا کیونکہ اس کے پاس وسائل اور سرمایہ یہ دونوں چیزیں بہت کم ہیں جو اسے کھینچ کر واپس اس ملک میں ہی لائیں گی جہاں وہ اپنی ذہانت کا بھرپور استعمال کر کے کھل کے کرپشن کر سکتا ہے..... کیونکہ اپنے مٹی کے علاوہ کہیں اور جا کر دغا کرنا ذرا زیادہ مہنگا پڑتا ہے انسان کو۔ جاو کام پہ لگو اب۔“ حکم جاری کر دیا گیا۔

”کیا ہو امہ النساء نہیں آئی کیا عاطف؟؟“ مہر النساء کے والد عبد اللہ صاحب نے آتے ہی اپنا آفس میں مہر النساء کی لائی ہوئی چیزیں نہ پا کر سوال کیا۔

”آئی تھیں انکل..... مگر جس کام سے وہ آئیں تھیں شاید انہیں مجھے بتانا مناسب نہ لگا اس لیے یہ جان کر کہ آپ ضروری کام سے گئے ہوئے ہیں واپس چلی گئیں..... کہہ کر گئیں ہیں کہ جب آپ آئیں تو ان کو کال کر دیں۔“ عاطف نے تفصیلاً بتایا۔

”ہاں بیٹا کام تو ضروری ہی تھا..... بتایا تھا اس نے مجھے..... اس کا کچھ زیور ہے وہ بیچنا ہے۔“ عبد اللہ صاحب نے بڑی افسردگی سے عاطف کو بتایا۔ عاطف کو وہ بچپن سے جانتے تھے وہ ان کے عزیز از جان دوست کا بیٹا تھا اور انہیں بہت پیارا تھا اس پر وہ آنکھیں بند کر کے بھروسہ کرتے تھے اس لیے اسے تقریباً ہر بات پتہ ہوتی تھی۔

”زیور بیچ رہی ہیں..... مگر کیوں انکل..... کام تو ہمارا بہت اچھا چل رہا ہے پھر زیور بیچنے کی کیا ضرورت ہے..... کہتے ہیں ناکہ زیور عورت کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتا ہے، اس کی زینت ہوتا ہے..... پھر وہ اسے کیوں بیچنا چاہتی ہیں؟؟“ عاطف کچھ فکر مند ہوا۔

”وقت نے اسے ایسی جگہ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے کہ اس نے اتنا سخت فیصلہ کیا ہے بر خور دار..... اس کے شوہر نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور ساتھ بھی ایسا چھوڑا ہے کہ اسے ادھورا کر دیا ہے نہ آتا ہے اس کے پاس اور نہ طلاق دے کر آزاد کرتا ہے..... پھر اس پر بچے کی آزمائش آن پڑی ہے ناجانے وہ اکیلے اس ذمہ داری کو پورا کیسے کرے گی..... ان سب حالات نے اسے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا کہ اسے جاب وغیرہ کرنے کی اور اپنا زیور بیچنے جیسا قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں

ہے..... مگر..... مگر اب میری بیٹی وہ پہلے جیسی لا ابالی نہیں رہی وہ اب ایک مضبوط عورت بن چکی ہے جو اپنے فیصلے خود کرنا جانتی ہے اور کافی خود دار بھی ہو چکی ہے وہ..... اپنا بوجھ بھی خود اٹھانا چاہتی ہے اب اگر میں اس کے ساتھ اس معاملے میں زبردستی کروں گا تو پھر میں اس کے ساتھ زیادتی کروں گا، اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچاؤں گا اس لیے میں اسے وہ کرنے دے رہا ہوں جو وہ کرنا چاہتی

ہے..... ہاں اگر کبھی اس کا قدم کسی غلط راہ پر ہونا پھر اسے ضرور روکوں گا، ضرور سمجھاؤں گا۔“ بات ختم کر کے وہ ایک مرتبہ پھر اپنے کام میں لگ چکے تھے۔

”جب آئی ہی تھی آفس تو عاطف کو دے جاتی نا اپنے زیور..... میں کام سے واپسی پر ہوتا سونار کے پاس سے.....“ رات کھانے کے بعد جب وہ چائے پی رہے تھے تب ابا نے اسے مخاطب کیا..... مہر النساء کی والدہ اس وقت وہاں موجود نہیں تھیں وہ خالہ سلطانہ کے ہاں گئی ہوئی تھیں اور یہ زیور والی بات ان دونوں باپ بیٹی کے درمیان میں تھیں اس کی والدہ اس بات سے واقف نہ تھیں..... مہر النساء نہیں چاہتی تھیں کہ وہ اس وقت یہ سب جان کر کوئی جذباتی رد عمل کا مظاہرہ کر کے مہر النساء کے راستے میں حائل ہوں۔

”وہ آپ کے عزیز از جان دوست کا بیٹا ہے ابا اور آپ کو اس پر اندھا اعتماد ہے..... مگر مجھے نہیں.... میں اس طرح کیسے کسی بھی مرد کو اپنا زیور پکڑا کر آسکتی تھی..... میرا دل راضی نہیں ہوا اس لیے میں گھر آگئی ہوں..... کل صبح صبح ہم چلیں گے.... سب سے پہلا کام یہی کرنا ہے میں نے.....“ کہہ کر اس نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا۔ حالات نے چائے کے ذائقے میں بھی کرواہٹ گھول دی تھی۔

”جانتی ہو کیا..... وہ بچہ بھی حالات کی زد میں آیا ہوا ہے، زمانے کا مارا ہے..... اتنا پاکیزہ رہا ساری زندگی کہ کبھی کسی لڑکی کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا اس نے..... حالانکہ ہمیشہ سے امیر کبیر ہیں یہ لوگ کتنی لڑکیاں خود اس کو اپنا دوست بنانا چاہتی تھیں مگر اس نے اپنی نظروں کو کبھی گمراہ نہ ہونے دیا اور ہمیشہ وقار کے ساتھ جیتا رہا..... پھر جب اس کی شادی ہو گئی تو وہ اپنے اس جائز رشتے پر بڑا ہی خوش تھا، بہت محبت ہو چکی تھی اسے اپنی بیوی سے..... مگر وہ لڑکی اس کے قابل نہیں تھی، پہلے ضد کر کے اس کے والد سے الگ ہوئی اور چارونا چار یوسف نے عاطف کو سمجھا کر اسے گھردلوایا اور خود تنہائی کو اپنا ساتھ بنا لیا پھر وہ لڑکی بہت سارا پیسہ بٹور کر چلی گئی اور ایک پھول سی بیٹی اس کی زندگی کا حصہ بنی تھی اسے بھی لے گئی..... سنا ہے اب بچی کو ملازموں کے حوالے کر کے خود کسی لڑکے کے ساتھ

عیاشیاں کرتی پھر رہی ہے..... یہ تو شکر ہے کہ ملازم عطف کے رکھوائے ہوئے ہیں..... عطف کو بس اب اپنی بچی کی فکر ہے، بڑا پریشان رہتا ہے اس کے لیے، بہت خوار ہو رہا ہے..... کیسی زندگی ہے ناکس کس طرح آزماتی ہے ہمیں..... بہت تکلیف ہوتی ہے اس بچے کے لیے..... دل خون کے آنسو روتا ہے، دعا کرو اس کی بچی اسے کسی طرح مل جائے..... وہ باپ اپنی بچی کے سر پر ہاتھ رکھنے کے لیے تیار ہے مگر بچی اس کے پاس نہیں ہے۔“ وہ بہت رنجیدہ ہو رہے تھے۔ عطف کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے اس کی تکلیف کا اندازہ کر سکتے تھے۔

”مہر النساء، مہر النساء کہاں ہو یہ دیکھو تمہارے لیے کوئی لفافہ آیا ہے.....“ امی نے یہ جان کر کہ مہر النساء تیار ہو چکی ہے اسے آوازیں لگانی شروع کر دیں۔ خود وہ کچن میں چائے بنانے میں مصروف تھیں۔ مہر النساء جو سونار کی دکان پر جانے کے لیے تیار تھی امی کی آواز پر وہیں کچن کے پاس رک چکی تھی۔

”میرے لیے لفافہ..... یہ کس نے بھیجا ہے.....“ مہر النساء نے آکر لفافہ لیا اور اب اسے کھول چکی تھی اور وہ..... یہ وہ کاغذات تھے جو وہ جانتی تھی کہ ایک نا ایک دن اس کا مقدر بنیں گے مگر پھر بھی وہ انہیں نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر ہمارے چائے نا چاہنے سے کیا ہوتا ہے..... ہوتا تھا وہی ہے جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے..... اس کے ساتھ بھی وہی ہوا تھا..... اس کا طلاق نامہ اس تک پہنچ چکا تھا۔ عمر عبدالعزیز نے اسے ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے الگ کر دیا تھا..... آزاد کر دیا تھا۔ ان کا سفر یہاں تمام ہوا تھا۔ ایک صرف ایک موٹی سی بوند اس کی آنکھ سے ٹپکی تھی اور پھر اس نے بہت سختی سے اپنے آنسو روک لیے تھے ورنہ انہیں چاہتی تھی..... محبت بہت تھی اسے عمر سے..... لیکن وہ جان چکی تھی کہ اس جیسے سفاک انسان کے ساتھ رہنے سے بہتر ہے بندہ اپنی محبت سے دستبرداری

حاصل کر لے..... وہ شخص جس کے دل میں یچی جیسی معصوم ننھی جان کے لیے ذرہ برابر انسیت اور محبت نہیں تھی تو پھر مہر النساء اس شخص کی محبت میں کیسے رو سکتی تھی اس لیے اس نے اپنے آنسوؤں کو ضائع نہیں ہونے دیا اس نے زندگی کی اس تلخ حقیقت کو پورے دل سے قبول کر لیا..... مگر اب وہ زیور بیچنے نہیں جا رہی تھی اب وہ اپنے کمرے میں جا رہی تھی کیونکہ اب اس نے اپنی عدت پوری کرنی تھی۔

”کیا ہو امہر النساء کس نے بھیجا ہے خط..... سب خیریت ہے؟؟“ مہر النساء کی والدہ نے کچن سے باہر مہر النساء کو نہ پا کر کچھ تفتیش کا اظہار کیا اور پھر وہ فکر مندی سے کمرے میں اس کے پاس آئیں کیونکہ مہر النساء بغیر کچھ کہے بتائے ہی وہاں سے چلی گئی تھی۔

”اپنا نام واپس لے لیا ہے امی عمر نے مجھ سے..... طلاق دے دی ہے اس نے مجھے، آزاد کر دیا ہے۔“ مہر النساء نے ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ اس کی نگاہوں میں غم کا شائبہ تک نہ تھا۔

”طلاق..... میری بچی.....“ اور یہ سنتے ہی ماں کی آنکھیں اشک بار ہو چکی تھیں..... انہوں نے اپنی بیٹی کو سینے سے لگا لیا تھا اور وہ خود اس وقت خوب رو رہی تھیں۔

”وہاں آئے گا تو پھنس جائے گا..... پرچہ کٹ چکا ہے تیرے خلاف پولیس تیری تلاش میں ہے..... جیسے ہی تو نے ایئر پورٹ پر قدم رکھا اور دوسرے ہی لمحے تیری گرفتاری ہو گئی اور اس بار تجھے کوئی رعایت بھی نہیں دی جائے گی کیونکہ پرچہ کٹوانے والے کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور تیری جیب بالکل خالی ہے..... اب سوچ لے کرنا کیا ہے.....“

”تو ابھی صرف مجھے یہ بتا کہ تو نے میرا کام کر لیا یا نہیں..... پہنچا دیے کاغذات اس ایڈریس پر کہ نہیں اب تک..... کوئی جواب آیا یا نہیں.....“ عمر نے فون پر اپنے مخاطب سے دریافت کیا۔

”جواب کیا آئے گا..... تم نے قصہ ختم کرنا تھا نا بس ہو گیا قصہ ختم اب چھوڑ دو اسے اس کے حال پہ..... تم اب اپنی فکر کرو.....“

”میری فکر کرنے کی مجھے کوئی خاص ضرورت نہیں ہے..... میں یہاں بہت چین سے ہوں اور میرا یہیں رہنے کا ارادہ ہے اور تم دیکھنا یہ لوگ ہی مجھے آگے بڑھائیں گے میری منزل تک پہنچائیں گے، اپنے دیس سے تو کچھ نہیں ملتا سوائے بدنامی کے..... غیر تو غیر ہیں انہیں کیا پتہ ہمارے رازوں کا اس لیے اصل دغا باز تو اپنے ہی ہوتے ہیں..... وہ ہی آپ کو ختم کر دیتے ہیں۔“ بات ختم کر کے عمر نے فون بند کر دیا۔

”میں نے بنت فاطمہ فاونڈیشن جانا ہے ابا میں..... میں وہاں جا کر ناچا ہتی ہوں..... بچی کو بھی وہاں لے جاسکوں گی اور دل بھی بہلا رہے گا ابا..... اب میں یہ کام خود کو مصروف رکھنے کے لیے کرنا چاہتی ہوں اور میری وجہ سے کچھ دوسرے لوگوں کا دل بہل جائے میری یہی کوشش ہوگی اور پھر بہت سی ماؤں کو بیٹی کا سہارا بھی مل جائے گا..... امید ہے آپ کو بُرا نہیں لگے گا..... اب..... اب زیور بیچنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے.....“



”میں اب اپنا سارا زیور خود استعمال کروں گی مجھے کرنا بھی چاہیے..... آخر کو زندگی پہ میرا بھی تو حق ہے نا، اپنے لیے بھی تو جینا چاہیے نا، بننا سنورنا چاہیے..... ایک بندے کے جانے سے زندگی رک تو نہیں جاتی اور پھر جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے..... کل میں جاؤں گی امی جی کے ساتھ..... کچھ نئے کپڑے خریدنے ہیں میں نے، پرانے کپڑے سب خراب ہو چکے ہیں اب.....“ مہر النساء کی آج عدت ختم ہو چکی تھی اور بنت فاطمہ جانے کا مشورہ اسے اس کی دوست فاطمہ نے دیا تھا اور مہر النساء نے شاید آج بڑے دنوں بعد بہت کھل کر سانس لیا تھا۔

”یہ وہی ہے نا..... مہر النساء..... چھوڑ دینا اس کے مرد نے آخر اسے..... چھوڑنا ہی تو تھا آخر اور کرتا بھی کیا..... ایک صحت مند اولاد تو وہ دے نہ سکی اسے پھر کیا وہ ایسی بیوی کو اپنے ساتھ رکھتا..... اب آج کے زمانے میں تو آدمی کا ظرف ہی اتنا بڑا ہو چکا ہے کہ وہ اب تو لڑکا اور لڑکی میں فرق بھی نہیں کرتے اور پھر اس نے اور زیادہ زیادتی کر دی نا اس بچے کے ساتھ کہ اس کو ایک تندرست اولاد کی نعمت سے بھی محروم کر دیا..... بڑی بد نصیب ہوتی ہیں ایسی عورتیں..... اب طلاق یافتہ بھی ہو چکی ہے اوپر سے ماں باپ بھی بوڑھے ہیں کافی..... کیسے اس بچے کو پالے گی.....“

”ہاں بہن بات تو تم ٹھیک کر رہی ہو مگر اس نے بھی عقل سے کام نہ لیا نا..... اگر اس وقت ہی دماغ استعمال کر لیتی تو بڑی آسانیاں ہو جاتی اس کے لیے..... خاموشی سے بچی ایدھی کے جھولے میں ڈال دیتی..... پھر سکون سے اپنے آدمی کے ساتھ رہ رہی ہوتی اب..... اب تک تو اس کی دوسری اولاد بھی ہو جاتی اور اپنے گھر میں خوش و خرم ہوتی یہ..... مگر آج کل کی بچیاں کسی بات مشورے کو خاطر میں ہی کہاں لاتی ہیں اپنی ہی چلاتی ہیں بس..... اس نے نہ مانی ہوگی اپنے بڑوں کی بات ورنہ کسی نے بھی اسے یہ مشورہ نہ دیا ہو ایسا تو ہو نہیں سکتا.....“

مہر النساء آج کافی عرصے بعد اپنی والدہ کے ساتھ قریبی رشتہ دار کی شادی میں آئی تھی۔ اس کی امی اسے زبردستی لے کر آئیں تھیں کہ اس کا دل پہلے مگر یہاں..... یہاں دل کیا بہلنا تھا یہاں تو ہر طرف لوگوں کی تکلیف دہ باتیں تھیں..... سب اسے ہی قصور وار ٹھہرا رہے تھے..... ہر طرف وہی غلط تھی مگر اس نے بھی صبر کا دامن نہ چھوڑا..... اسے بس اب اس دن کا انتظار تھا جس دن وہ اپنے بچی کو ایک کامیاب انسان بنا کر اس دنیا کے سامنے لائے گی۔

## (ڈیڑھ سال بعد)

”اسکول بٹھانا ہے آپ نے اسے..... بہت اچھی بات ہے بچوں کو تعلیم دلوانی چاہیے..... مگر معذرت کے ساتھ میم آپ کا بچہ تو اسپیشل ہے..... پھر آپ اسے اس اسکول میں لے کر کیوں آگئی ہیں اپنا اور ہمارا وقت ضائع کرنے کے لیے..... اس کی جگہ تو اسپیشل بچوں کے ہی اسکول میں ہے..... ہمارے یہاں کی استانیاں اسے ہینڈل نہیں کر سکیں گی اور پھر یہ دوسرے بچوں کی پڑھائی میں بہت مغل ہو گا..... پھر ان کے والدین آکر شکایات کریں گے تو ہمارے اسکول کے لیے مشکل پیش آجائے گی..... آپ سے درخواست ہے کہ آپ برانہ مناتے ہوئے ہماری معذرت قبول کریں اور اسے کسی اس کی ذہنیت کے مطابق اسکول میں داخلہ کروائیں۔“ اسکول کی موٹی تازی بڑی سی عینک والی پرنسپل جو شکل سے کافی فیشن ایبل مگر سوچ سے کافی پرانے خیالات کی مالک تھیں انہوں نے مہر النساء سے اچھے الفاظوں میں معذرت کرنی چاہی۔ جن کے اسکول میں مہر النساء آج اپنے چار سالہ بچی کا داخلہ کروانے آئی تھی۔

”میں بڑے فخر سے اسکول میں داخلہ کروانے آئی تھی۔ میں سمجھی تھی کہ اسکول میں تو سب پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں وہ مجھ کو ضرور سمجھیں گے..... یہاں کم از کم مجھ سے وہ سوال نہیں ہونگے جو باقی دنیا والے کرتے تھے، یہاں مجھے وہ جواب نہیں دینے پڑیں گے جو

میں دوسروں کو دیتی آرہی تھی..... مگر..... مگر میں غلط تھی پڑھا لکھا ہونا سمجھداری کی علامت نہیں ہوتا..... اصل چیز تو شعور ہے، انسانیت ہے، اخلاق ہیں..... جو صرف اسی میں پائے جاتے ہیں جو واقعی ان کو پانے کی آرزو رکھتا ہے جو انہیں اہمیت دیتا ہے..... پھر اگر وہ پڑھا لکھا نہ بھی ہونا تو بھی دنیا کو مسخر کر لیتا ہے..... بہت دکھ ہوا آپ کی سوچ جان کر مگر ایک بات میں آپ کو بتاتی چلوں..... میرا بیٹا اسپیشل نہیں ہے وہ صرف ایک معمولی بیماری ڈاؤن سینڈروم کا شکار ہے جس کی وجہ سے اس کا دماغ نارمل بچوں سے تھوڑا دیر سے نشوونما پا رہا ہے..... مگر اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ میرا بچہ آپ کے اسکول کے لیے کسی خطرے کا باعث بنے گا رے آپ کیا جانیں کہ یہ جو بچے ہوتے ہیں ان کے دل کتنے معصوم ہوتے ہیں اور یہ خلوص اور محبت میں ہم سب سے کتنا آگے ہوتے ہیں..... میں آپ کو اس بات کا یقین دلاتی ہوں کہ میرا بچہ آپ کو وہ سب کر کے دکھائے گا جو اس اسکول کے دوسرے تمام بچے کر رہے ہیں..... اس کے بعد بھی اگر آپ نے میرے بیٹے کو اپنے اسکول میں داخلہ نہ دیا تو میں زیادہ کچھ نہیں کروں گی.....“ مہر النساء نے بیگ میں پاتھ ڈال کر اپنا اسمارٹ فون نکالا اور پھر اس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔

”یہ..... یہ دیکھ رہی ہیں آپ یہ جو فون ہے نایہ آج کل بڑے کام کی چیز ہے اور میں نے اس میں آپ کی تمام باتیں ریکارڈ کر لی ہیں..... کل تک کا وقت ہے آپ کے پاس اچھے سے سوچ لیں کہ آپ نے کیا فیصلہ لینا ہے پھر اگر آپ کا جواب نہ ہو تو پھر کل صبح ہی آپ کی باتیں آپ کی تصویر کے ساتھ پورے سوشل میڈیا پر گردش کریں گی اور پورا معاشرہ منٹوں میں آپ کو گندا کر کے رکھ دے گا..... اب فیصلہ آپ کا ہے..... مجھے اجازت دیجئے....“ وقت اور حالات نے اسے اتنا ضرور مضبوط کر لیا تھا کہ اب وہ اپنے بچے کے حق کے لیے ہر قدم وقت پر اور بہت سمجھداری سے اٹھانے لگی تھی اور اس کا اعتماد چٹان کی طرح مضبوطی پکڑ چکا تھا۔ اور اسی لیے آج اس نے پورے حوصلے کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک اسکول کی پرنسپل کو دھمکی دے ڈالی تھی۔ وہ اب سمجھ رہی تھی کہ اس نے اس دنیا میں کیسے جینا ہے۔

وہ یوسف آیا تھا آج میرے پاس..... وہ چاہ رہا ہے کہ اس کے بیٹے عاطف کا نکاح کر دے تم سے..... عاطف بڑا ہی پیارا بچہ ہے مہر النساء..... تمہیں خوش رکھے گا..... عمر میں تھوڑا زیادہ بڑا ہے تم سے..... مگر اپنی بیوی سے علیحدگی کے بعد بہت تنہا ہو چکا ہے اور اب تمہیں اپنی زوجیت میں لینا چاہتا ہے یحییٰ سمیت..... اگر تم رضامندی ظاہر کر دو تو پھر ہم کچھ فیصلہ کریں.....“ بات ختم کر کے ابا نے بیٹی کا چہرہ پڑھنا چاہا اور مہر النساء وہ تو وہیں تھم چکی تھی.....

”کیوں ابا..... کیوں مانگ رہے ہیں وہ میرا ہاتھ..... ہم عورتوں کو آخر زندگی کے ہر موڑ پر مرد کے سہارے کی ضرورت کیوں پر جاتی ہے..... اس کے بغیر زندگی کیوں نہیں گزاری جاسکتی..... مرد اتنا ضروری کیوں ہو گیا ہے..... آج کے اتنے ترقی یافتہ دور میں بھی..... تھک جاتی ہیں ہم عورتیں ابا ان مردوں سے محبت کر کر کے پھر ان کی باتیں سن سن کر..... ان کا جب دل چاہتا ہے یہ ہمیں جھڑک دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں، یہ ہم پر غالب ہوتے ہیں نا اس لیے چاہے زندگی میں کسی بھی قسم کی اونچ نیچ ہو کسی بھی قسم کی..... قصور وار ہم عورتیں ہی ٹھہرائی جاتی ہیں ان کی نظر میں..... میں نے اب ایسی زندگی نہیں گزرائی ابا جی..... خدا کے لیے رحم کریں مجھ پر میں چاہے کوئی کتنا بھی اچھا ہو شادی کرنا ہی نہیں چاہتی کسی سے بھی.....“ وہ رو رہی تھی مگر ناجانے ان آنسوؤں کی وجہ کیا تھی وہ خود کوئی وجہ نہ ڈھونڈ پائی۔

”دیکھو مہر النساء میں تمہیں زبردستی نہیں کروں گا..... مگر میں تمہیں پھر بھی لازمی ایک بات سمجھانا چاہتا ہوں اس کے بات تمہاری جو مرضی فیصلہ کرنا مجھے اعتراض نہیں ہو گا..... تمہاری شادی اس لیے کرنا چاہ رہا ہوں کہ میں اور تمہاری ماں اب بہت بوڑھے ہو چکے ہیں ہم آج ہیں کل نہیں ہیں اور جتنے دن ہم ہیں ان میں بھی ہم تمہاری حفاظت ویسے نہیں کر سکتے جیسے کرنی چاہیے کیونکہ.....

کیونکہ ہم میل ڈائمنٹنگ سوسائٹی میں رہتے ہیں جہاں چلتی ہی مرد کی ہے..... میں جانتا ہوں مرد کی فطرت کو..... میں خود ایک مرد ہی تو ہوں..... مگر تمہیں زمانے کے سفاک مردوں سے بچانے کے لیے ہی تو کسی ایک مرد کے حوالے کرنا چاہتا ہوں..... میں جانتا ہوں جب ایک آدمی شوہر بن جاتا ہے تو وہ کبھی کبھار بہت زیادتی کر جاتا ہے مگر یاد رکھنا وہی دوسرے مردوں کی زیادتی سے ہمیشہ حفاظت کرے گا تمہاری..... اس قصے میں تمہیں صرف ایک آدمی کو برداشت کرنا ہو گا مگر دوسری صورت میں تو تمہیں زمانے بھر کے آدمیوں کو جھیلنا پڑے گا کس کس سے لڑو گی، کس سے مقابلہ کرو گی..... نہیں کر پاو گی ایک دن لازمی ہار جاو گی..... یہ زمانہ تو ایسا ہے جہاں عورت کی بہادری اسے زیادہ بھاری پڑتی ہے..... مان لو اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر بہادری دکھانے سے اچھا ہے کسی مرد کا سہارا لے لو..... اور پھر سارے انسان ایک سے نہیں ہوتے مہر النساء..... میں جانتا ہوں عمر نے تمہارے ساتھ برا کیا مگر لازمی نہیں ہے کہ عاطف بھی وہی سب کرے..... آرام سے سوچ کر پھر ہی کوئی فیصلہ کرنا میں تمہارے جواب کا انتظار کروں گا۔“ اور بات ختم کر کے وہ وہاں سے جا چکے تھے۔

”ام..... ماں..... ام..... ماں..... پیای.....“ چھوٹے سے بچے نے اب چند ایک الفاظ بولنا شروع کر دیے تھے۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اس کی امی اسے بہت پیاری ہیں..... اور یہ بات مہر النساء کا دل خوش کر دیتی۔ دن رات لگا کر اس نے اسے پالنا شروع کیا، وہ بچے پر بہت محنت کرتی تھی، اسے کوئی بھی بات سمجھانا کچھ سکھانا بہت مشکل مرحلہ ہوتا تھا مگر مہر النساء کبھی نہیں تھکتی تھی نہ پیچھے ہٹتی تھی اور پھر ہمیشہ ایک دن آتا جب اس کی محنت رنگ لے آتی اور مہر النساء اس دن کو ضرور سلیر بیٹ کرتی تھی۔ یہی تو اس کی زندگی کی چھوٹی چھوٹی خوشیاں تھیں۔

”..... ماشا اللہ کتنا پیارا بولتا ہے تمہارا بیٹا اور آج اتنے پیارے الفاظ کی خوشی میں یہ مٹھائی لائی ہونا تم ہم سب کے لیے۔“ وہ آج ہر دفعہ کی طرح ایک بار پھر فاونڈیشن میں موجود خواتین کے لیے مٹھائی لائی تھی۔ اسے یہاں موجود خواتین کے ساتھ ہی خوشیاں منانا اچھا لگتا تھا اور پھر وہ خواتین بھی بہت خوش ہوتی تھی انہیں مہر النساء سے بہت لگاؤ ہو گیا تھا وہ اسے بہت اپنی اپنی لگتی تھی۔

”آپ کیا سوچ رہی ہیں عابدہ آنٹی..... لیں نا مٹھائی کھائیں۔“

”سوچ رہی ہوں بیٹی آج شاید میرا پوتا بھی اس دنیا کے کسی کونے میں اتنا ہی بڑا ہو چکا ہو گا..... وہ بھی بولتا ہو گا نا..... اگر میں وہاں ہوتی تو وہ مجھے بھی دادی بولتا..... کتنا سوہنا، کتنا میٹھا لگتا نا اس کے منہ سے یہ لقب....“ اداس مسکراہٹ سے کہا گیا تھا۔

”تو کوئی بات نہیں آنٹی..... آپ دل چھوٹا نہ کریں..... بچی کی تو کوئی دادی ہی نہیں ہے تو اب سے یہ آپ کو دادی کہے گا ٹھیک ہے.....“

”نہیں بیٹی..... ٹھیک ہے عمر سے اب تیرا تعلق نہیں ہے مگر اس کے بڑوں کا تو اس پر حق ہے نا..... ان سے یہ حق نہ چھین اس کی دادی کو اس سے ملوایا کر.....“

”مگر آنٹی جی اس کی دادی تو فوت ہو چکی ہیں..... میری جب عمر سے شادی ہوئی تبھی سے عمر کے آگے پیچھے کوئی تھا ہی نہیں..... وہ اکیلا شخص ہی میری زندگی کا حصہ بنا تھا..... پوچھنے پر پتہ چلا کہ اس کے والد کے انتقال کو کافی وقت ہو چکا تھا اور والدہ شادی سے کچھ مہینے پہلے ہی دنیا رخصت ہوئی تھیں.....“

”اچھا ایسی بات ہے..... چلو سہی پھر میں بھی اب سے تمہارے بچی کو پوتا بنا کر رکھوں گی دیکھنا۔“ اور پھر دونوں خوشی سے گلے لگ گئی۔



”میرا راجا..... اب تو آگیا ہے ناتو میں سوچ رہی ہوں کہ تیرے لیے کوئی اچھی سی لڑکی ڈھونڈ کر تیری شادی کر دوں..... بڑا جی چاہتا ہے میرا کہ اب گھر بھرا بھرا ہو جائے، تھک چکی ہوں میں اس تنہائی سے اب اور تنہا نہیں رہا جاتا.....“ اس کی ماں نے آج پھر اس کی پسند کا کھانا بنایا تھا اور بڑے پیار سے اس کے آگے رکھا تھا اور اب وہ اپنی دلی خواہش بھی بتا رہی تھی مگر وہ بیٹا جسے وہ اپنا جگر کا ٹکڑا سمجھتی تھی وہ تو اب بیٹا رہا ہی نہیں تھا وہ تو اب صرف مردہ گیا تھا..... ایک بالکل الگ انسان جس کی اپنی ایک دنیا تھی.....

”اماں آپ ان سب باتوں کی فکر نہ کریں..... میں نے سوچ لیا ہے آپ کو اسی ہفتے میں بنت فاطمہ فاؤنڈیشن چھوڑ آؤں گا، ابھی فلحال مجھے کچھ ٹائم اپنا کاروبار سیٹ کرنا ہے تو میں آپ کو وقت نہیں دے پاؤں گا پھر آپ نے اکیلے پریشان ہونا ہے اور پھر بس شکوے ہی کرتے رہنا ہے..... اس سے بہتر ہے آپ وہاں شفٹ ہو جائیں اب..... وہاں آپ کی عمر کی کئی خواتین ہونگی دل بہل جائے گا آپ کا..... باقی میری فکر چھوڑ دیں میں خود ہی شادی کر لوں گا وقت آنے پر..... ویسے بھی جیسی لڑکی میں چاہتا ہوں آپ نہیں ڈھونڈ پائیں گی.....“ جتنے سخت الفاظ تھے ان سے کئی زیادہ بے حس تو اس کا لہجہ تھا..... جیسے کہ وہ بہت عام سی بات کر رہا تھا۔

”کتنی آسانی سے کہہ دیا نا تم نے کہ میں اولڈ ایج ہوم چلی جاؤں، کتنی آسان بات ہے نا تمہارے لیے..... اور وجہ تو دیکھو..... دل بہلانے کے لیے چلی جاؤں..... واہ بیٹے واہ..... اس لیے تمہیں پال پوس کرنا پڑا کیا تھا میں نے کہ جب تم بڑے ہو جاؤ اور مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت پڑے تو تم مجھے اس طرح اولڈ ایج ہوم چھوڑ آؤ..... تمہاری خوشیاں دیکھنے کے خواب دیکھتی رہی ہوں تمہارے پیچھے میں..... اور تم..... تم مجھے اپنی زندگی سے ہی الگ کرنا چاہتے ہو، تف ہے تم جیسی اولاد پر..... اچھا ہوا تمہارا باپ مر گیا..... ورنہ وہ یہ سب ہی سہہ نہ پاتا..... میں مانتی ہوں تمہارے باپ نے دوسری شادی کو چھپا کر غلط کیا مگر اس نے یہ سب ہمارے لیے کیا..... وہ ہمیشہ مخلص تھا ہمارے ساتھ اور اس نے فقط ایک غلطی کی..... اور تم..... تم تو گناہ پر اتر آئے ہو، تم تو بالکل ہی بے وفائے ہو عمر بن عبدالعزیز..... شرم آرہی ہے مجھے تمہیں اپنی اولاد کہتے ہوئے بھی..... کوئی ضرورت نہیں ہے مجھے وہاں دو دن بعد بھیجے کی..... میں صبح ہوتے ہی خود چلی جاؤں گی یہاں سے.....“ وہ بات ختم کر کے اپنے آنسو پوچھتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی اور پیچھے عمر رہ گیا تنہا..... مگر وہ یہ نہیں سوچ رہا تھا کہ وہ تنہا رہ گیا، بلکہ وہ تو یہ سوچ رہا تھا کہ یہ بڑے بزرگ ضرورت سے

زیادہ ہی جذباتی ہوتے ہیں..... بات بات پر روٹھ جاتے ہیں، روپڑتے ہیں..... ہاں واقعی اس نے ایسا ہی سوچا تھا اور ہاں اتنے سنگ دل لوگ بھی تو اس جہاں میں بستے ہیں.....

چھنا کے کی آواز سے گلاس ٹوٹا تھا اور اسی آواز نے اس کا ارتکاز توڑا تھا وہ ماضی سے نکل آیا تھا..... کیسا ماضی تھا اس کا بھی..... ایک ہستی اس کو چھوڑ کر چلی گئی، ایک ہستی کو اس نے چھوڑ دیا، ایک ہستی کو زندگی سے نکال باہر کیا اور باقی ایک ہستی کو تو اس نے اپنانے سے ہی انکار کر دیا تھا..... ناجانے وہ رشتے نبھانا نہیں جانتا تھا یا پھر وہ رشتوں کے قابل نہیں تھا..... اور تنہائی جو اس کا مقدر بن رہی تھی اسے بھی تو اس نے بذات خود اپنے لیے پسند کیا تھا..... اسے لگتا تھا تنہائی میں سکون ہے مگر وہ یہ بھول جاتا تھا کہ جن راستوں سے گزر کے اس نے اس تنہائی کو پایا ہے وہ اسے کبھی سکون کا سانس نہیں لینے دے گے کیونکہ وہ سارے کے سارے راستے ہی کھوٹے ہیں۔

یہ جو گلاس ٹوٹا تھا وہ اس کے ہاتھ سے گرا تھا اور اب یہ اس کا معمول بن چکا تھا..... اس کا ضمیر اسے چین سے سونے نہیں دیتا تھا اور یہ بے چینی ایسی تھی کہ وہ اکثر ہوشو خرد سے بے گانہ ہو جاتا..... ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی چیز ٹوٹ جاتی اور پھر وہ عمر عبدالعزیز کو ماضی سے حال میں کھینچ لاتی تھی۔

”یہاں آؤ بیٹھو بیٹا عاطف..... ایک ضروری بات کرنی ہے میں نے تم سے.....“ وہ لوگ جب کھانا کھا چکے تو یوسف نے اپنے بیٹے کو اپنے کمرے میں ہی بلا لیا جو ہر روز اس وقت پارک جایا کرتا تھا۔

”جی ابو کہیں....“ اور وہ بھی فوراً ہی فرمانبرداری سے ان کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

”میں نے عبد اللہ سے ان کی بیٹی مہر النساء کا ہاتھ مانگا ہے تمہارے لیے..... بڑی ہی پیاری بچی ہے، بس قسمت نے اسے آزمائش میں ڈال دیا اور تم..... تم بھی بڑے نیک اور صابر بیٹے ہو میرے..... پہلے کبھی تو میرے ذہن میں یہ بات نہ آئی مگر کل جب عبد اللہ سے ملاقات ہوئی اور اس کی بیٹی کے بارے میں پتہ چلا تو سب سے پہلا خیال میرے ذہن میں یہی آیا کہ کیوں نا تم دونوں ایک ہو جاؤ..... بہت بہترین جوڑ ہے تم دونوں کا اور پھر تم دونوں کو ایک دوسرے کی بہت ضرورت بھی تو ہے.....“ وہ کچھ دیر کے اپنے بیٹے کا چہرہ جانچا پھر گویا ہوئے

”مگر..... مگر ایک مسئلہ یہ ہے کہ مہر النساء اب اس رشتے سے بھاگ رہی ہے..... مجھے عبد اللہ نے بتایا کہ اس نے انکار کر دیا ہے..... عبد اللہ نے اسے سمجھایا تو ہے..... مگر میں چاہ رہا تھا کہ اگر تم اس سے مل لیتے..... اس طرح اسے تمہارے مزاج کی کچھ سمجھ آجائے گی.....“ انہوں اب باقاعدہ اصل بات سامنے رکھ دی تھی۔

”ہم مل چکے ہیں بابا..... کچھ دن پہلے عبد اللہ انکل کسی کام سے گئے تھے تب وہ آفس آئیں تھی اس وقت ہماری ملاقات ہو چکی ہے..... سلجھی ہوئی خاتون ہیں کافی..... مگر میں چاہتا ہوں کہ یہ فیصلہ انہیں خود ان کی مرضی سے اور دلی رضامندی سے کرنے دیا جائے تو بہتر ہو گا..... کیونکہ..... کیونکہ میں بھی اسی جگہ کھڑا ہوں جہاں اس وقت وہ کھڑی ہیں مجھے اندازہ ہے کہ یہ فیصلہ کرنا ان کے لیے کتنا مشکل ہو گا..... ایک تیر جب نشانے پہ نہ لگے اور چوک جائے تو دوسرا تیر اٹھانے کے لیت پھر بہت ہمت چاہیے ہوتی ہے انسان ہو بہت سے اندیشے ہوتے ہیں..... مجھے آپ لوگوں کے اس فیصلے سے کوئی اعتراض نہیں ہے میں واقعی اب سا تھی چاہتا ہوں..... تھک چکا ہوں اب اکیلا..... مگر میں یہ بھی چاہوں گا کہ آپ لوگ مہر النساء کو کچھ وقت دیں اور ان پر کسی قسم کا کوئی دباو نہ ڈالیں تو بہتر ہو گا.....“

”ایک بات اور بتانی تھی آپ کو..... بلکہ یوں کہوں کہ خوشخبری سنانی تھی تو زیادہ بہتر ہو گا.....“

”کیا ہوا مہر النساء..... کچھ پریشان لگ رہی ہو آج..... سب ٹھیک ہے، بچی تو ٹھیک ہے نا؟“

جب وہ قرآن پڑھا چکی اور اس کے تمام شاگرد وہاں سے جا چکے تو خالہ سلطانہ نے اس سے دریافت کیا۔

”جی خالہ سب ٹھیک ہے..... بس بابا نے ایک الجھن میں ڈال دیا ہے مجھے..... وہ..... وہ چاہتے ہیں میں شادی کر لوں..... میں ان کی پریشانی سمجھ سکتی ہوں خالہ، اگر میں خود کو ان کی جگہ رکھ کر سوچوں تو وہ واقعی غلط نہیں ہیں..... مگر..... مگر میرے لیے دوبارہ سے اس رشتے میں بندھنا بہت مشکل ہے، میں کیسے شادی کر لوں، ایک تجربہ جو میں کر چکی دوبارہ سے کیسے اس اندھی کھائی میں کھود جاؤں..... عمر..... عمر ایک بہت اچھا انسان تھا خالہ اس نے مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں ہونے دی، ہاں وہ تھوڑا خود غرض ضرور تھا مگر اس نے شادی کے تمام عرصے میں میرا خیال رکھا..... مگر وہ اپنا پرست نکلا اس نے اپنی اولاد کو اپنانے سے انکار کر دیا..... میں کیسے یقین کر لوں اب کہ جو دوسرا شخص میری زندگی کا حصہ بنے گا وہ بچی کو اپنالے گا..... اگر..... اگر شادی کے بعد اس نے بچی کو اپنانے سے انکار کر دیا تو..... اگر اس نے مجھ سے کہہ دیا کہ میں بچی کو امی ابا کہ پاس چھوڑ دوں تو پھر..... بس خالہ اس سے آگے میں سوچ بھی نہیں پار ہی..... ابانے مجھ سے فیصلہ مانگا ہے اور میں فیصلہ ہی نہیں کر پار ہی.....“ وہ بہت رنجیدہ ہوئی۔

”جب تم سمجھتی ہو مہر النساء کہ تمہارے والدین کی پریشانی بجا ہے تو پھر کیسی کشمکش فیصلہ کرنے میں..... کر دو ہاں، ہامی بھر لو اس رشتے کے لیے میری بچی..... تم خوش نصیب ہو جو طلاق کے بعد بھی تمہیں کوئی اپنا رہا ہے ورنہ آج کے دور میں تو ایسے مرد بالکل ناپید ہو چکے ہیں..... مرد تو کشش کی طرف کھینچتا ہی چلا جاتا ہے، اسے تو ہمیشہ ہی نازک کنواری دوشیزہ ہی بھاتی ہے پھر چاہے وہ خود کنوارہ ہو یا نہ ہو..... اب ایسے میں بھی اگر تمہیں کوئی اپنانے کے لیے تیار ہے نا تو پھر اسے ایک نعمت سمجھ کر قدم آگے بڑھا دو..... اور جہاں تک بچی کی بات ہے تو مجھے کسی حد تک اندازہ ہے کہ تمہارے والد نے اس لڑکے سے تمہاری اولاد کے بارے میں بات کر کے

ہی رشتے کے لیے ہامی بھری ہوگی..... مگر پھر بھی اپنی تسلی کے لیے تم جب اس لڑکے سے ملاقات کرو تو بات کر لینا..... اور بس ماضی کو بھلا کر اب یہ بات ذہن میں رکھو کہ ہر مرد ایک سانپ نہیں ہوتا..... مگر یہ بات بھی یاد رکھنا نصیب کے ہر لکھے سے بندے کو گزرنا ہی پڑتا ہے..... استخارہ کرو اور آگے بڑھو، اس دنیا میں عورت کا اکیلا رہنا بڑا مشکل ہے، یہاں مرد کا سہارا ہر قدم پر بہت ضروری ہے..... اپنا لو اس لڑکے کو اگر اللہ نے چاہا تو وہ تمہارا محافظ بن جائے گا۔“ اس کے بعد بھی خالہ سلطانہ نے ہر دفعہ کی طرح مہر النساء کو ڈھیر ساری دعائیں دی اور پھر کچھ دیروہاں اور بیٹھ کر مہر النساء کیجی کو لے کر اپنے گھر آچکی تھی۔

”خوشخبری یہ ہے اباجان کہ کل آپ کی پوتی یہاں آرہی ہے ہمارے گھر..... وکیل سے ملا تھا میں آج..... کیس نہیں شروع ہوگا اب..... جو بات اس نے مجھے بتائی وہ ہے تو تکلیف دہ مگر شاید یہی خدا کو منظور تھا.....“ نظریں جھکائے وہ کہہ رہا تھا..... کہیں بہت اندر آج بھی اس کے دل میں اس لڑکی کی محبت باقی تھی، شاید محبتیں اتنی جلدی ختم نہیں ہوا کرتی۔

”کیوں بیٹا ایسا کیا کہا وکیل نے..... سب خیریت ہے..... اور مشال وہ کیسی ہے..... تم ملے اس سے..... کافی بڑی ہو گئی ہو گی نا وہ اب..... بڑا دل چاہتا ہے بیٹا اس سے ملنے کا، تمہاری ماں کی بڑی خواہش تھی تمہاری اولاد کو گودوں کھلانے کی.....“ اباجی اپنی مرحوم زوجہ کو یاد کر کے افسردہ ہوئے۔

”مشال ٹھیک ہے بالکل اباجی..... اور واقعی بڑی ہو گئی ہے مگر شکر ہے کہ وہ مجھے پہچانتی ہے..... کیسی نعمت ہے نایہ بھی اباجی کہ آپ کی اولاد آپ کو سولوگوں میں سے بھی پہچان لیتی ہے پھر چاہے بچہ کتنا ہی چھوٹا اور نا سمجھ کیوں نا ہو..... اور باقی بات رہی انابیہ کی تو وہ.....“



”بھول گئیں اتنی جلدی تم کہ کس شرط پر تمہیں نوکری دی گئی تھی..... کہاں ہے عمر؟ کیوں نہیں پتہ تمہیں..... کیا کیا آخر تم نے پھر ان دو سالوں میں جو یہ ایک اتنا چھوٹا سا کام بھی نہ کر سکی تو۔“ اجمل سیٹھ نے آج اس کی کھینچائی کرنے کے لیے اسے اپنے آفس میں طلب کیا تھا اور اس پیشی کی وہ کئی دن سے منتظر تھی اور اس نے جواب میں کیا کیا کہنا ہے وہ سب جانتی تھی۔

”سیٹھ صاحب اتنی جلدی متفر کیوں ہو رہے ہو..... مجھ سے زیادہ تو آپ عمر سے واقف ہیں، جانتے ہیں اس کے مزاج کو وہ کہاں اتنی جلدی ہاتھ آنے والوں میں سے ہے..... کر تو رہی تھی میں کوشش..... پورے تین سال میں نے اس کو اپنا بنانے کی کوشش کی..... مگر وہ بڑا پکا مرد ہے عورت کی کشش کے بہکاوے میں نہیں آتا..... یہ سمجھ لیں کہ آپکا ہی دوسرا چہرہ ہے..... بس آپ کی عمر تھوڑی ڈھل گئی ہے اور وہ اب بھی جوان ہے..... مگر اب جو بھی ہوا یا ہو رہا ہے اس میں میرا کیا قصور جو مجھے باتیں سنائی جائیں.....“ وہ فوراً ہی معصوم بن گئی تھی مگر سیٹھ اجمل بہت ہوشیار باش تھا وہ اس کے شکنجے میں نہیں آیا تھا اور اس کے لیے تو وہ آج ایک باقاعدہ فیصلہ بھی کر چکا تھا۔

”زیادہ باتیں نہ بناؤ میرے سامنے سب سمجھتا ہوں تم جیسیوں کو..... اور عمر کو بھی اچھے سے جانتا ہوں..... اسی لیے تمہیں یہ نوکری دی تھی مگر تم..... تم بھی وہی نکلی باقی عام زنانیوں کی طرح تمہیں اسے جیتنا نہیں آیا..... ضرورت نہیں ہے اب تمہاری جاسکتی ہو یہاں سے کل سے آنے کی ضرورت نہیں ہے.....“ اجمل سیٹھ نے حکم جاری کر دیا۔

”ایسے کیسے جاسکتی ہوں..... کانٹریکٹ کیا تھا نا تم نے مجھ سے کہ جب تک میرا کیس چل رہا ہے مجھے اس نوکری پر رکھو گے..... پھر ایسے کیسے تم مجھے بے روزگار کر سکتے ہو..... ٹھیک ہے عمر کو نہیں پھنسا سکی مگر کام تو ٹھیک کر رہی ہوں نا یہاں تمہارا..... اگر اس طرح کی غداغی کرنے کی کوشش کی نا سیٹھ تو سمجھ لینا کہ میں بھی تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑنے والی.....“ اس نے شہادت کی انگلی دکھا کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوری بہادری سے کہہ ڈالا۔

”یہ دھمکیاں تم کسی اور کو دینا سمجھیں لڑکی..... اور کانٹریکٹ تب کا تھا جب تم بھی میرا کام کر جاتی..... تم سے میرا کام نہ ہو سکا تو پھر تم یہ امید کیسے رکھ سکتی ہو کہ میں تمہارا کام کروں گا..... اور جہاں تک مجھے برباد کرنے کی بات ہے ناتوا ایسا کوئی ابھی پیدا نہیں ہوا..... اب شرافت سے یہاں سے دفاع ہو جاؤ اور اپنی جان کی امان پاؤ ورنہ پھر نتیجے کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔“ اجمل سیٹھ کو بھی اس کی بات سن کر آگ لگ گئی اور پھر ادنے انابیہ کا بازو زور سے پکڑ کر اسے جھٹکا دیا اور اپنے الفاظوں کے ذریعے اسے اس کی اوقات یاد دلا کر اسے باہر کا رستہ دکھا دیا۔

”پاگل سمجھتا ہے مجھے..... کہتا ہے کل سے نہیں آنا..... عجیب مردوں کی دنیا ہے یہ بھی عورت کا یہاں بس ہی نہیں چلتا..... جس مرد کا جب دل چاہتا ہے ہمیں زمیں بوس کر دیتا ہے..... چاہے اس سے پھر ہمارا کوئی رشتہ ہو یا نہ ہو..... باس ہو تو نوکر بنا کر رکھتا ہے ایڑیاں رگڑواتا ہے..... باپ ہو تو ہمیشہ اپنا رتبہ جتاتا ہے بڑا بن کے دکھاتا ہے، بیٹا ہو تو بھول جاتا ہے کہ اس کی ماں نے اسے اتنا بڑا کیا پالا پوسا اور پھر جب وہ جوان ہو جاتا ہے ناتوا منہ کو آتا ہے اور شوہر..... شوہر تو سب سے نرالہ رتبہ ہے جو ایک مرد اپناتا ہے جب اس کا مطلب ہو گا یا دل ہو گا ناتوا شہزادی بنا دے گا عورت کو اور پھر اگر اسی وقت اس کی انا جاگ جائے نافورا عرش سے دھکا دے کر زمین پر لے آئے گا، وہ اگر ایک لمحہ محبت کا پنچاؤ بھی کرے گا نا عورت پر تو صدیوں اس لمحے کا احسان جتا رہے گا، وہ خود کو بدلتا نہیں ہے عورت کے لیے اسے تو شوہر بن کے خاص طور پر اپنی چوہدری راہٹ چاہیے.....

یہ قصوں کہانیوں میں بھی کیسے مرد ہوتے جو عورت کا دم بھرتے ہیں..... ناجانے حقیقتی دنیا میں ان کا وجود اتنا ناپید کیوں ہے.....“ وہ آفس سے نکل کر گاڑی میں آکر بیٹھ چکی تھی اور اب اس کی سوچیں تھیں کہ ان کو کوئی لگام ہی نہ تھا وہ مسلسل روئے جا رہی تھی اور سوچے جا رہی تھی اور پھر اچانک ہی اس کی نظر دھندلا گئی اور اس کی گاڑی سامنے والی گاڑی سے ٹکڑا گئی۔

”اباجی آج پیشی تھی پہلی کورٹ میں..... مگروکیل نے بتایا کہ آج صبح آٹھ بجے انابیہ کا بہت برا ایکسڈنٹ ہو گیا تھا اور..... اور وہ اس ایکسڈنٹ میں ایکسپائر ہو چکی ہے اور اس طرح کورٹ نے بچی کا فیصلہ میرے حق میں دے دیا ہے اور اسی لیے آج شام تک آپ کی پوتی آپ کے گھر آجائے گی۔“ عاطف نے کہہ کر محبت سے باپ کو گلے لگا لیا۔ ان کے لیے آج ایک خوشی کا دن تھا اور انابیہ..... وہ اس مردوں کی دنیا میں آج زندگی ہار بیٹھی تھی.....

”اباجان..... میں نے فیصلہ لے لیا ہے...“ رات کھانے کی میز پر جب وہ لوگ بیٹھے تو مہر النساء نے اپنے والدین کو آج اپنا فیصلہ سنانے کا ارادہ کر لیا۔

”اور وہ فیصلہ کیا ہے؟؟“ اباجان نے نوالہ ختم کر کے اس سے دریافت کیا۔

”میں..... میں ایک دفعہ ان سے ملنا چاہتی ہوں..... پہلے ملاقات ہو چکی ہے میری ان سے اور میں جانتی ہوں آپ نے بھی ہر طرح سے اپنی تسلی کر کے ہی یہ فیصلہ لیا ہو گا مگر اباجان ایک تجربہ اتنا برا ثابت ہوا ہے کہ اب دوسری دفعہ میں یہ فیصلہ لینے سے پہلے ایک مرتبہ اپنی مکمل تسلی کرنا چاہتی ہوں..... امید ہے آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا..... اور ایک بات..... میں شادی کے بعد بچی کو بھی

اپنے ساتھ ہی رکھوں گی اور یہ بات بھی میں بذات خود عاطف صاحب سے کروں گی کیونکہ جو مجھے اپنانے کے لیے تیار ہے اسے اب میرے ساتھ ساتھ میرے بچے کو بھی اپنانا ہو گا..... اور میں اس معاملے میں بھی آپ کا ساتھ چاہتی ہوں....“ مہر النساء نے مدد طلب نظروں سے باپ کو دیکھا اسے بہت امید تھی کہ اس کے والدین اس کے احساسات کو ضرور سمجھیں تھے۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مہر النساء مگر..... مگر بچی کو اس کے اپنے باپ نے جب نہیں اپنایا تو پھر تم یہ امید کیسے باندھ سکتی ہو کہ کوئی اور اسے قبول کر لے گا..... بیٹا رشتے ناطے ہر کوئی دیکھ بھال کے ہی جوڑتا ہے اگر تمہارے لیے بھی کوئی معذور شخص کا رشتہ آتا تو ہم بھی تمہارا ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں نہ دیتے پھر کسی اور سے اس بات کی توقع رکھنا سراسر بے وقوفی ہوگی..... اور شاید اس کے ساتھ زبردستی بھی.....“ ابا نے کڑوا سچ کہا تھا۔ یہی ہمارے معاشرے کی حقیقت ہے..... اسی لیے تو انسان خوش نصیب ہے کہ نصیب خود رب کائنات نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہر ایک کا جوڑ خود بنایا ہے اگر انسان خود اپنا نصیب لکھتا تو ہر عیب دار شخص اکیلا تنہا ہی رہ جاتا.....

”ابا یہ میری پہلی شادی نہیں ہے..... ویسے تو یہ پہلی دفعہ میں بھی اس بات کو مد نظر رکھنا چاہیے مگر ہمارے یہاں ایسا ہوتا نہیں ہے..... لیکن اس بار تو میں اسی انسان سے شادی کروں گی جو مجھے ویسے قبول کرے گا جیسی میں ہوں..... جو ابھی سے مجھے بدل دے میں کیسے یقین کر لوں کہ شادی کے بعد وہ مجھے اپنے اشاروں پر نہیں نچائے گا..... اس لیے جس نے مجھ سے شادی کرنی ہے تو جیسی میں ہوں ویسا مجھے قبول کرے تاکہ مجھے اتنا مان تو ہو کہ شادی کے بعد بھی میری کچھ تو اہمیت ہوگی، کبھی تو میرا بھی مان رکھا جائے گا..... اور یہی میرا فیصلہ ہے اس سے زیادہ آپ مجھے مجبور نہ کیجیے گا یہ میری آپ سے درخواست ہے.....“

”ٹھیک ہے میں بات کرتا ہوں یوسف سے کل ہی تم دونوں کی ملاقات کروادیتے ہیں.....“ ابا جی نے بھی اس کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

”ابا نے مجھ سے فیصلہ مانگا ہے..... شادی کے حوالے سے..... آپ سے شادی کے حوالے سے..... کچھ باتیں کلیئر کرنی تھیں مجھے فیصلہ لینے سے پہلے..... اگر آپ کی طرف سے سوالات کی اجازت ہو تو.....“ وہ آج ابا کے ساتھ ہی آفس چلی آئی۔ عبد اللہ صاحب کی رات میں ہی یوسف صاحب سے ان دونوں کی ملاقات کے حوالے سے گفتگو ہو چکی تھی اور عاطف کو اس بات پر کوئی اعتراض بھی نہ تھا اس لیے وہ دونوں آج صبح ہی ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے۔ جب کہ ابا اور یوسف صاحب کمرے میں ہی رکھے کچھ دور صوفوں پر موجود تھے اور یہ بھی مہر النساء کا ہی مطالبہ تھا کہ وہ دونوں بھی کمرے میں موجود ہوں۔

”جی پوچھیے کیا پوچھنا چاہتی ہیں آپ.....“

”آپ جان چکے ہیں کہ کن حالات میں میرا گھر ٹوٹا، یقیناً وجہ بھی آپ کو بتائی گئی ہوگی..... میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ شادی کے بعد آپ مجھ سمیت میرے بیٹے کو بھی اپنائیں گے؟؟؟“ مہر النساء نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پورے اعتماد سے سوال کیا۔

”بالکل اپناؤں گا اور میرے پاس آپ کے اطمینان کے لیے ایک بہت واضح وجہ بھی ہے..... وہ یہ کہ الحمد للہ اب میری بیٹی بھی میرے پاس آچکی ہے..... تو میں آپ کے بیٹے کو اپناؤں گا تو آپ سے بھی یہ توقع رکھتا ہوں کہ آپ بھی میری بیٹی کو قبول کریں گی..... دل سے.....“ بہت پرسکون لہجے میں عاطف نے اس کے سامنے اپنی بات رکھ دی تھی۔

”چلیں قدرت نے تو میرے لیے اس بات میں خاصی آسانی کر دی..... ایک اور بات بھی کرنا چاہتی ہوں آپ سے.....“

”بہت سے مرد اس رشتے میں دھل تو جاتے ہیں مگر خود کو پھر بھی غالب ہی سمجھتے ہیں وہ بیوی کے رشتے میں بندھی عورت کی خواہش کا احترام نہیں کرتے..... وہ اپنی بیوی کے لیے خود کو بدلنے کو تیار نہیں ہوتے..... چاہے آپ کی بیوی آپ کو کسی برائی سے روک رہی ہو یا پھر کوئی ایسی چیز سے جو اسے ناپسند ہو تو میں اس بات کی قائل ہوں ایک مرد کو اس سے رک جانا چاہیے..... عورت بھی تو خود کو بدل رہی ہوتی ہے نا..... آپ سے میں اس بات کی امید رکھوں؟؟؟ یا پھر آپ بھی دوسرے مردوں کی طرح ضدی واقع ہونگے اور..... اور میرے کسی حرام چیز سے روکنے پر بھی نہیں رکیں گے؟؟؟“ اس بار وہ کچھ ڈر رہی تھی کیونکہ یہ ایسا سوال تھا جو عام طور پر پوچھا

نہیں جاتا کیونکہ اس طرح کے سوالات کو مناسب نہیں سمجھا جاتا..... دوسری طرف ابا اور یوسف صاحب پر بھی اس کی نظر گئی جو کسی موضوع پر محو گفتگو تھے اور اتنا لگن تھے کہ ان دونوں سے بالکل غافل لگتے تھے۔

”اب میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ چیز جو آپ مجھ سے چاہ رہی ہیں میں بھی یقیناً آپ سے اس کی توقع کر سکتا ہوں..... میری پہلی بیوی سے اسی لیے نہیں بن پائی کیونکہ وہ اپنی من مانی کرنے والی عورت تھی، کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہیں ہوتی تھی کچھ بھی..... چاہے اسے کچھ اچھا سمجھاؤ یا برے سے روکو..... شاید..... شاید اس معاملے میں ہم دونوں کا تجربہ ایک سارہا ہے اب یقیناً اس معاملے میں ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے خوش آئند ثابت ہونگے..... اس کے علاوہ بھی اگر کوئی سوال ہے تو آپ مجھ سے پوچھ سکتی ہیں.....“ عاطف نے اب کے بہت اطمینان سے اسے دیکھا۔

اور مہر النساء اب کی بار گردن ہلکی سی نہ میں ہلا کروہاں سے اٹھ چکی تھی۔

”کر لیا پھر تم بے آخری فیصلہ..... بندھنے جا رہی ہو ایک نئے رشتے میں؟؟“ آج شام کلاس ختم ہونے کے بعد وہ خالہ سلطانہ کے پاس ہی ٹھہر گئی تھی۔

”جی خالہ..... اب آگے بڑھنا ہی ہو گا مجھے..... بس آپ میرے لیے ڈھیر ساری دعائیں کیجئے گا.....“ اس نے رات کے کھانے کے لیے سبزی کاٹتے ہوئے درخواست کی۔

”تم تو ہمیشہ میری دعا کا حصہ رہی ہو میری بچی... بس ایک بات یاد رکھنا..... یہ جو رشتہ تم جوڑنے جا رہی ہو نایہ بڑا ہی نازک اور مقدس ہے اور ایسے سمجھ لو کہ یہ مکتوب ہے..... تمہارے نصیب میں لکھا ہوا..... اپنے دوسرے شوہر کا کبھی بھی پچھلے سے موازنہ نہ کرنا..... بہت سی خامیاں اس میں بھی ہونگی لیکن تم در گزر جر کے گزر جانا..... اپنے ماضی کو دفن کر کے آگے بڑھو اب..... دیکھو پتہ ہے کیا نیا



رشتہ بنانا بہت مشکل ہے اس میں انسان لاشعوری طور پر نئے لوگوں کا موازنہ ان لوگوں سے کرنے لگتا ہے جو وہ پیچھے چھوڑ آیا ہے ایسا نہیں کرنا چاہیے..... ہر انسان دوسرے سے مختلف ہے اور ہر کوئی ایک نئی زندگی دیتا ہے اور نئے اسباق سکھاتا ہے..... عمر کی زندگی میں کوئی اور نہیں تھا تمہیں وہاں ہر سسرال کا تجربہ نہیں ہوا تھا..... مگر یہاں..... یہاں تمہارے سسرال مل رہا ہے..... عاطف کے ابا اور اس کی بہن کی شکل میں..... اب تم نے اس کے ابا کا بھی بہت خیال رکھنا ہے..... اور عاطف کی بہن کو بھی بہت مان سے رکھنا ہے..... لہذا تمہیں کامیاب کرے۔“

”ارے میرا بچہ..... میرے دل کا ٹکڑا.....“ ماہم ان کے گھر کی رونق آج بالآخر ان کے گھر آچکی تھی اور عاطف کے والد اس سے پیار جتاتے تھکتے نہ تھے اور اسی طرح آج کا پورا دن گزرا اور پھر شام میں وہ لوگ کچھ شاپنگ اور پھر اس کے بعد ڈنر کے لیے نکلے تھے۔

”کیا شاپنگ کرنی ہے ابا جی.....“ عاطف اپنے والد کے کہنے پر ان کو شاپنگ پر لے تو آیا تھا مگر اب وہ ان سے پوچھ کر کہ کیا شاپنگ کرنی چاہیے انہیں حیران کرنے ہر تلا تھا۔

”اچھا..... اب تم مجھ سے پوچھو گے کہ کیا شاپنگ کرنی چاہیے..... بیٹا مجھ سے کہیں زیادہ تجربہ تمہیں ہے اور مجھ سے کہیں زیادہ اسمارٹ بھی تم ہو پھر بھی مجھ سے پوچھ رہے ہو..... اگر نہیں کرنی تم نے یہ شادی تو ابھی بتا دو ایک دفعہ میں بعد میں پھر میری بچی کو پریشان نہ کرنا.....“ ابا نے مزاحیہ انداز میں اسے بلیک میل کیا۔

”ابا..... کیسی باتیں کر رہے ہیں میں تو صرف آپ سے مشورہ کر رہا تھا..... باقی شادی تو اب لازمی کرنی ہی ہے..... خاص طور پر اپنی بیٹی کے لیے..... بس دعا کریں اب آنے والے میرے سکون کا باعث بن جائے، ہمارے گھر کے لیے عافیت والی ہو.....“

”بالکل ٹھیک بیٹا..... مگر کچھ کردار اس میں تمہیں بھی نبھانا ہو گا..... اسے سمجھنے کی لازمی کوشش کرنا، بات بات پر اس سے جھگڑنے مت بیٹھ جانا، وہ کیا بولنا چاہ رہی ہے اس پر دھیان دینا..... اور اس کے ماضی کو خاص طور پر مت کریدنا..... اسے محبت دینا..... اسے مجھے اور تمہاری بہن کو سمجھنے میں قبول کرنے میں وقت لگے گا..... اسے وہ وقت دینا اور ہمیشہ اس کا ساتھ بھی دینا..... دیکھو میں تمہیں ایک پتے کی بات بتاؤں جو ساری زندگی تمہارے لیے آسانی پیدا کرے گی..... وہ یہ کہ تمہیں سب سے زیادہ اس کا ساتھ دینا ہے اب کیونکہ وہ تمہارا ساتھ ہی چاہتی ہے، اسی لیے وہ یہ شادی کر رہی ہے، سب سے زیادہ اسے تمہاری ضرورت ہو گی..... تمہارے والدین بھی ضروری ہیں لیکن انہوں نے اپنی زندگی گزار لی ہے ان کے وقت میں کوئی نہ کوئی ان کا ساتھ دینے والا بھی تھا ہی اور اب عمر کے اس حصے میں وہ توجہ چاہیں گے، ضدی بھی ہونگے لیکن اس کا ہر گز ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ان کی طبیعت کے آگے اپنی بیوی سے ہر موقع پر صبر مانگتے رہو..... ہاں ٹھیک ہے خیال کرنا ان کا بھی، ان کے حقوق بھی ادا کرنا اور اپنی بیوی کو یہ بھی ضرور سمجھانا کہ وہ بوڑھے ماں باپ کے آگے سے کچھ نہ کہے مگر تم اس کا بھی ساتھ دینے کی کوشش کرتے رہنا جہاں وہ صحیح ہو وہاں اسے صحیح کہنا اس کے حق کے لیے اس کا سہارا بننا، اس طرح وہ نکھر جائے گی میرے بچے..... شاید تم کچھ میری بات سمجھ رہے ہو گے..... امید ہے وقت آئے گا تو اچھے سے سمجھ جاو گے۔“

”آئی ویسے آپ کے بیٹے کا نام کیا تھا؟؟“ آج بہت دنوں بعد مہر النساء کو وقت ملا تھا ان خاتون کے پاس دوبارہ سے بیٹھ کر فرصت سے بات کرنے کا اور وہ جوان کا دل ہلکا کرنا چاہتی تھی آج اپنے مقصد کی تکمیل میں لگ چکی تھی۔

”عمر.....“ اس خاتون نے نام بتادیا تھا اور وہ..... وہ اپنی جگہ سن ہو چکی تھی۔

”کیوں..... کیوں وہ آپ کو یہاں چھوڑ گیا.....“ الفاظ ادا کرنا اس کے لیے مشکل تھے.... کوئی یاد آیا تھا اسے مگر اس نے ہمت کر کے پوچھ لیا۔

”بس بیٹا..... جو ان اولاد تھی..... اپنی نئی امنگوں میں مگن..... ماں اسے بوجھ لگنے لگی تھی..... اس کے ابا نے ایک عمر اس کے لیے محنت کر کے گزار دی پھر بھی ساری زندگی اس کے طعنے سننے کہ ہم نے اسے کچھ نہیں دیا..... پھر اس کے لیے ہی اس نے دوسری شادی کا روگ پالا... سب سے چھپ چھپا کر..... شادی بھی بڑے اونچے خاندان میں کی تھی..... پھر نوکری بھی اونچے رتبے پہ لگ گئی..... محنتی اس کا باپ بلا کا تھا..... کما کما کر اس نے عمر کی ہر خواہش پوری کر ڈالی.... اس کی پسند کی یونیورسٹی میں بھی اس کا داخلہ کروادیا اور پھر سب اچھے سے گزرتا رہا..... مگر غریب کی زندگی میں خوشی کی عمر بھی کم ہی ہوتی ہے..... ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا..... سب راز کھل گئے پھر وہ..... اس کا باپ مار دیا گیا..... بڑے لوگوں سے رشتہ جوڑا تھا ان کو جب پتہ لگا کہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا تو انہوں نے سزا میرا سے موت ہی دے دی اور جو پیسہ اس نے بنایا تھا عمر نے اس پیسے سے اپنی تعلیم مکمل کر لی..... ہاسٹل میں داخلہ لے لیا..... پورے تین سال اس نے گھر سے دور اپنی خواہش کی تکمیل میں گزار دیے..... اور پھر جب آیا تو میں بڑا خوش تھی کہ میرا بچہ میرے پاس آگیا لیکن بچہ تو بچہ رہا ہی نہیں تھا..... وہ تو جوان ہو چکا تھا..... اس کا تو اپنا ایک پورا جہاں تھا اپنی ہی دنیا بن گئی تھی..... ایک مکمل..... اور میرے ارمان..... میرے ارمان کا تو جنازہ نکل چکا تھا..... میرے حقوق تو ختم ہی ہو چکے تھے..... اس کا باپ اس کی نظر میں ایک بیکار ملازم بن چکا تھا جس نے ساری زندگی اس کے لیے کچھ نہیں کیا تھا اور اس کی ماں اس کے لیے بوجھ بن گئی تھی جو اس کی راہوں میں رکاوٹیں پیدا کر رہی تھی..... اس لیے اس نے مجھے یہاں چھوڑ دیا بلکہ چھوڑ کیا دیا صرف اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا..... اور میری خود داری سے برداشت نہیں ہونا تھا کہ اس جیسی اولاد مجھے گھر سے نکالتی اور اولڈ ہوم چھوڑنے جاتی اس لیے میں خود ہی یہاں آگئی تھی..... مگر اسے سمجھا کے آئی تھی کہ جو بیچ وہ بورہا ہے وہی کاٹے کا بھی ضرور اس لیے جب کبھی ہو سکے فوراً سنبھل جائے مگر شاید.....“

”کچھ تین سال پہلے اطلاع ملی تھی کہ اس نے شادی کر لی ہے..... اس کے بعد سے کچھ خبر نہیں اس کی.....“ وہ بات ختم کر کے اب بہت زیادہ خاموش ہو چکی تھیں۔

”میں سناتی ہوں آگے کی کہانی آپ کو..... شاید قدرت نے مجھے یہاں اسی لیے بھیجا ہے کہ ہم دونوں ایک ہی انسان سے جڑے ہیں.....“ اب باری مہر النساء کی تھی..... وہ اپنے انسوپونچھ کر بولنے لگی۔

”اس کی زندگی بھی اسی موڑ پہ آکر رک چکی تھی آنٹی، جہاں اس کے لیے بہت بڑا سبق تھا..... جہاں اس کے لیے اس کے کیے کی سزا رکھی گئی تھی..... جہاں اسے مکافات کی صورت میں وہ ملا جو اس نے اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا.....“

”مجھ سے شادی ہوئی تھی آنٹی عمر کی، جب شادی ہوئی تھی تو پتہ چلا تھا کہ وہ اکیلا ہے، اس کا خاندان کوئی نہ تھا کسی جاننے والی عورت نے عمر کا رشتہ دیا تھا اور پھر میرے والدین نے اسے مناسب جان کر اس سے میری شادی کر دی تھی..... پھر ناجانے وہ کیا بزنس کرتا تھا مگر جو بھی تھا بہت مشکوک سا تھا، رشتے کے وقت یہ بات پتہ چلی تھی کہ وہ ایک بہت مشہور کمپنی میں اکاؤنٹنٹ ہے مگر شادی کے بعد مجھے اس کے کام میں بہت گڑبڑ محسوس ہوئی میں نے بہت بار اس بارے میں اس سے بات کرنے کی کوشش کی..... بہت بار سمجھانے کی کوشش کی میں نے اسے مگر وہ میری اس بات پر بھڑک اٹھا تھا..... اسے پیسہ کمانے کی، بڑا آدمی بننے کی لت لگی ہوئی تھی اور وہ اس میں اتنا اندھا ہو چکا تھا کہ صحیح غلط کا فرق ہی بھول چکا تھا..... پھر میں نے صبر کر لیا..... اور پھر شادی کے دو سال بعد ہمیں اولاد کی نعمت سے نوازا گیا..... مگر..... مگر بیچی جیسی اولاد کو عمر عبدالعزیز نے قبول ہی نہ کیا..... وہ تو ہمیں ہسپتال میں ہی چھوڑ گیا آنٹی..... اور پھر جب بیچی دو سال کا ہو چکا تو اس نے مجھے طلاق دے دی..... اس پورے دو سال کے عرصے میں وہ ایک دفعہ بھی بیچی سے آکر

نہ ملا..... ناجانے کیسا باپ تھا وہ..... اب میں سوچتی ہوں کہ کیا واقعی سزا اسی کے حصے میں آئی یا پھر اس کی اولاد اس کے کیے کی لپیٹ میں آگئی..... اور ایک بات ذہن میں آرہی ہے آنٹی..... میرا اور آپ کا یہاں ملنا کیسا عجیب اتفاق ہو گیا نا.....“

”اسلام علیکم! بیٹا مریم بات کر رہی ہو؟؟“ خالہ سلطانہ نے دریافت کیا۔

”جی جی بالکل آپ کون.....“ دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔

”بیٹا سلطانہ بات کر رہی ہوں..... مہر النساء کی والدہ کی پڑوسن..... مہر النساء کی والدہ سے تمہارا نمبر لیا ہے..... ایک ضروری کام تھا تم سے.....“

”وہ دراصل بیٹی..... مہر النساء کے حالات کچھ ٹھیک نہیں چل رہے..... اگر تمہارے پاس وقت ہو تو میں تمہیں تفصیل بتاتی

چلوں؟؟“ ”جی جی خالہ بالکل کہیے.....“ اور پھر خالہ سلطانہ نے بتانا شروع کیا۔

”یہ تو بہت برا ہوا ہے آنٹی مہر النساء کے ساتھ..... میری قسمت کے اتنے سال مصروفیت کی بناء پر مہر النساء سے رابطہ ہی نہیں رکھ پائی، بس مہینوں میں کبھی سلام دعا ہو جاتی ہے..... خیر..... آپ نے یہ سب مجھے بتایا..... اس کے پیچھے مقصد؟؟“ فاطمہ نے افسوس کے بعد استفسار کیا۔

”بیٹا میں چاہ رہی تھی مہر النساء کی کچھ مدد ہو جائے..... مگر میں چاہ رہی تھی ذریعہ کوئی اور بنے اور مجھے تم سے بہتر کوئی اور نہ لگا۔ اگر تم کچھ مدد کر سکتی ہو تو بتاؤ..... پھر ہم مزید اس بارے میں بات کریں گے۔“

”بالکل آنٹی مجھے خوشی ہوگی اس طرح..... آپ بتائیں.....“

اور پھر خالہ سلطانہ نے فاطمہ کے ذریعے مہر النساء کو بنت فاطمہ فاؤنڈیشن کا رستہ دکھایا جہاں اس جیسی بیٹیوں کی بہت ضرورت تھی۔

”آپ دیکھ سکتے ہیں یہ ہے حماد اختر..... ایک بہت ہی جانے مانے انٹرنیشنل بزنس مین کے بیٹے..... اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کی والدہ بھی ایک بہت ہی مشہور و معروف ڈاکٹر ہیں..... ڈاکٹر ناز..... تو قصہ کچھ یوں ہے کہ کسی نے ان سے دشمنی کی آڑ میں ان کے بیٹے کو نقصان پہنچایا ہے اور نا صرف نقصان پہنچایا ہے..... بلکہ انتہائی تکلیف اور اذیت سے گزار کر اسے عارضی طور پر ذہنی معذوری کا شکار بنا دیا ہے..... جی ہاں آپ نے بالکل ٹھیک سنا کسی نے بہت بری طرح انہیں تشدد کا نشانہ بنایا ہے اور ڈاکٹرز کے مطابق انہیں دوبارہ سے نارمل ہونے میں اب کم سے کم بھی ایک سال کا عرصہ درکار ہے.....“

”اب سوال یہ ہے کہ یہ سب کیا کس نے..... تو آئے جناب اس ظلم کرنے والے کی طرف چلتے ہیں....“ اور پھر نیوز اینکر جس کے سر میں بڑا سا جوڑا بنا تھا اور جو خود خال سے انتہائی تیکھے نقوش کی مالک تھی..... انہوں نے تیز تیز چلتی زبان سے اپنی بات ختم کر کے ایک تصویر اسکرین پر پیش کی۔

”اور آپ سب دیکھ رہے ہونگے یہ تصویر..... یہ ہے وہ شخص جس نے حماد اختر کو اس حالت تک پہنچایا اور اب..... اب اس شخص کی تلاش پورے ملک میں جاری ہے کیونکہ یہ مفرور ہو چکا ہے جی ہاں یہ ملزم..... عمر بن عبدالعزیز نامی شخص..... اس کی تلاش پورے ملک میں جاری ہے اور اسے سزائے موت سنادی گئی ہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ اسے ڈھونڈ نکالنے والے کے لیے ایک بہت شاندار انعام کا



بھی اعلان کیا گیا ہے..... ”وہ نیوز اینکر اب بھی تیز تیز کچھ بول رہی تھی مگر..... مگر سننے والے بہت سے کان بس یہیں تک سن پائے..... ان میں سے ایک بوڑھی ماں تھی جو اب اپنی اولاد کے غم میں روتے روتے باقاعدہ سسکیاں لینے لگی تھی..... اور ایک سابقہ بیوی تھی جو گزرے ہوئے لمحوں کی قید میں اپنے بچے کے باپ کے اس گھٹیا چہرے پر افسوس سے نڈھال تھی..... اور ایک سیٹھ اجمل تھا جو بلا کا خود غرض تھا..... اور وہ تو اس وقت بھی افسردہ صرف اسی لیے تھا کہ وہ ایک نایاب موتی کھو بیٹھا تھا.....

اور آج باقاعدہ تمام تر معاملات طے ہونے کے بعد ان دونوں کا نکاح تھا..... مہر النساء اور عاطف کا..... وہ ایک مقدس رشتے میں بندھنے جا رہے تھے..... اور دونوں کو ایک ہی سوچ نے اپنے حصار میں لیا ہوا تھا کہ ناجانے یہ سفر کیسا ہو گا..... آنے والے دن ان کے لیے خوشحالی لائیں گے یا پھر وہی اذیت.....

”ایک بات پوچھنی تھی آنٹی آپ سے..... آپ عمر کی امی کو کیسے جانتی ہیں؟؟؟“ فاطمہ نے واپسی کے سفر سے پہلے سلطانہ خالہ سے ایک ملاقات کی تھی۔

”بہن ہے وہ میری سگی.....“

”بہت ملنا جلنا رہا ہے ہمارا..... ہم اکثر ملاقات کیا کرتے تھے..... عمر کے ابو کی وفات کے بعد تو بہت زیادہ..... شوہر مر چکا تھا، بیٹا چھوڑ کر جا چکا تھا..... بہت تنہا ہو چکی تھی وہ اس لیے پھر ہم اور بھی زیادہ قریب ہوتے گئے، پھر مل کر دل ہلکا کر لیا کرتے تھے..... تب وہ عمر کی بہت باتیں کیا کرتی تھی، بہت یاد کرتی تھی اس کو..... بہت زیادہ..... بہت سے خواب سجائے تھے اس نے اپنی آنکھوں

میں..... مگر پھر جب عمر پڑھائی مکمل کر کے واپس آیا تو..... تو سب ختم ہو گیا..... عابدہ کے خواب اور اس کا دل دونوں ٹوٹ چکے تھے..... وہ بکھر گئی تھی بہت.....“

”ان ہی دنوں مہر النساء کی والدہ اس کے لیے رشتہ دیکھ رہی تھیں..... ناجانے کیسے میرے دل میں اللہ نے یہ ڈال دیا کہ ان دونوں کو آپس میں ہمسفر بن جانا چاہیے اور پھر میرے ہی توسط سے دونوں کی شادی ہو گئی.....“

”مگر پھر شادی کے بعد مہر النساء پریشان رہنے لگی..... کچھ تھا کہ وہ خوش نہیں تھی..... پھر میرے بہت پوچھنے کے بعد ایک دن اس نے بتایا کہ عمر راستے سے بھٹکا ہوا محسوس ہو رہا ہے..... اس نے بتایا کہ وہ حلال نہیں کما رہا..... یہ سب سن کر اس دن سمجھو میں..... بالکل ٹوٹ چکی تھی..... سب میری وجہ سے تو ہوا تھا..... وہ میں ہی تھی جو مہر النساء کی ایسی زندگی کا سبب بنی تھی..... مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ سب کیا ہو گیا اور اب مجھے کیا کرنا چاہیے.....“

”ان سب معاملات شروع کرنے پر میری نیت صرف یہ تھی کہ مہر النساء جیسی بچی عمر جیسے انسان کو بدل دے گی وہ عمر کی والدہ کو پھر سے وہ مقام دلوا سکتی تھی جو اس کا تھا..... وہ اس کے دل کو راہ راست پر لا سکتی تھی..... مگر..... مگر میں غلط تھی..... میں نے اب جانا ہے کہ ہم کسی کو راہ راست پر تب تک نہیں لا سکتے جب تک کہ وہ خود نہ چاہے..... ہم تو صرف کوشش کر سکتے ہیں باقی عمل کرنے بندے کے ہاتھ میں اور توفیق دینا تو خالق کائنات کا کام ہے بس.....“

”اور پھر سب کچھ ختم ہو جانے کے بعد مجھے لگا کہ اب میں مہر النساء کے لیے تودعا کے علاوہ زیادہ کچھ نہیں کر سکتی مگر عابدہ کو تو اس کے خونی رشتے سے ملوا سکتی ہوں..... اس لیے میں نے تم سے رابطہ کیا کیونکہ اس وقت مجھے صرف تم یاد آئیں..... یہ کام میں خود اس لیے نہ کر سکی کیونکہ..... کیونکہ میں آج بھی خود کو مہر النساء کا مجرم سمجھتی ہوں..... جانتی ہوں یہ سب قسمت کے کھیل ہیں مگر پھر بھی ایک کسک سی ہے دل میں.....“ بات ختم کر کے وہ نظریں جھکا گئیں۔

”ایک بات کہوں..... کچھ وقت بچوں کے ساتھ بھی گزار لیا کریں..... انہیں آپ کی ضرورت ہے..... مجھے غلط مت لیجیے گا..... میں جانتی ہوں آپ سارا دن ان کے لیے بہت محنت کرتے ہیں..... اتنی خواری اٹھاتے ہیں..... مگر..... مگر بچوں کو صرف اچھے کپڑوں، اچھی چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی..... انہیں وقت کی بھی ضرورت ہوتی ہے..... میں یہ بھی جانتی ہوں کہ یہ ایک مشکل کام ہے..... سارا دن تھکنا پھر اپنا وقت دینا..... یہ وہ لمحات ہوتے ہیں جب آپ آرام کرنا چاہتے ہیں، ذہنی سکون چاہتے ہیں..... مگر..... مگر کبھی بچوں کے ساتھ بھی وقت گزار کر دیکھیں..... ہو سکتا ہے جتنا سکون آپ کو یہاں ملے وہ آپ کہیں اور نہ پائیں.....“

ان کی شادی کو پورا مہینہ ہو چکا تھا اور عاطف کی آفس سے آکر اپنے دوستوں میں بیٹھنے کی ایک سی روٹین دیکھ کر آج مہر النساء نے اس سے ہمت کر کے اسے احساس دلانا چاہا کہ فیملی بن جانے کے بعد فیملی کتنی اہم ہوتی ہے..... یہ صرف اس کی ایک کوشش تھی جو اس نے آج کر ڈالی....

”کسی نے کہا تھا وقت گزارنے کی خواہش بھی محبت کے اظہار کا ایک طریقہ ہے..... میں بہت معذرت خواہ ہوں کہ میں پہلے یہ بات محسوس نہ کر سکا جو آج تم نے مجھے محسوس کروائی..... جانتی ہو..... اس سے پہلے کوئی میرے بارے میں اتنا سوچنے والا نہ تھا..... مجھے یقین ہے کہ تم ایک اچھی ہمسفر ثابت ہوگی..... اور میں کوشش کروں گا کہ تمہاری ہمیشہ قدر کروں۔“

اور پھر وہ دونوں اپنے دونوں بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہو چکے تھے..... انہیں دیکھ کر ہر ایک کو رشک انا تھا..... کیونکہ ان کی فیملی ایک آئیڈل فیملی تھی۔

ضروری نہیں کہ کسی معاملے میں اگر ایک تجربہ بُرا ہو تو دوسرا بھی اچھا ثابت نہ ہو..... اسی لیے فیصلے ہمیشہ ہی پہلے تجربے کی بنیاد پر نہیں کرنے چاہئیں۔ کبھی دوسرا موقعہ دے کر بھی آزما لینا چاہیے۔

وہ آفس جانے کے لیے آئینے کے سامنے کھڑا تیار ہو رہا تھا۔

”پاکستان چلے جاؤ واپس.... وہاں بہت کچھ رکھا ہے تمہارے لیے..... کیا یہاں بیٹھ کر انگریزوں کے آگے جھکے رہتے ہو ہر وقت.....  
یہاں بڑھاپے میں جا کر بھی اتنا نہیں کما پاؤں گے کہ کچھ عرصہ عیش کر سکو..... چھوڑ دو پردیس.... اور واپس اپنے دیس چلے جاؤ.....  
عقل مندی سے کام لو..... ہوش کے کچھ ناخن لوں.....

”پاگل ہو کیا..... یہ کیا سوچ رہے ہو..... اپنے ملک جانا چاہتے ہو، ان کے پاس جنہوں نے تمہیں رسوا کر کے رکھ دیا، پہلے تمہیں ہی  
نامکمل کہا پھر..... اور پھر تمہیں سزائے موت سنادی..... منتظر ہیں تمہارے..... یہاں تم نے قدم رکھا اور تمہیں مار ڈالا جائے  
گا..... کچھ نہیں بچے گا پھر..... کچھ بھی نہیں.....

”ایسا ہوتا ہے کیا کبھی..... اپنے تو معاف کر دیتے ہیں، بھول جاتے ہیں..... وہاں بھی سب سب کچھ بھول چکے ہونگے تم جا کر دیکھو تو  
سہی ایک دفعہ،.....

اس طرح کی اور بہت سی سوچیں روز اس کے ذہن میں آتی تھیں جب بھی وہ آئینے کے سامنے کھڑا تیار ہونے لگتا تھا..... مگر وہ جی رہا  
تھا..... عمر..... ہر روز ہر سوچ کو جھٹک کر جی رہا تھا..... قدرت نے اسے کوئی سزا نہیں دی تھی نہ ماں کو اکیلا کرنے کی سزا، نہ بیوی کو تنہا  
کرنے کی اور نہ اولاد کو ادھورا کرنے کی..... کسی جرم کی سزا اسے نہیں ملی تھی..... ایسا ہوا تھا اور ایسا ہوتا ہے دنیا میں..... ہمیشہ سزائیں  
نہیں ملا کرتیں..... اسی لیے تو دوسرے جہاں کا وجود ہے جہاں انصاف برحق ہے۔ قدرت بہت سو کو ڈھیل بھی دیا کرتی ہے مگر ایسا  
نہیں ہے کہ ہاں سے سوال نہیں ہو گا.....

(ختم شد)

\*\*\*\*\*

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ---

”اَللّٰمُ عَلَیْکُمْ اِحْبَاب---

-----  
"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید -----

ناولز کی دنیا "ویب سائٹ / گروپ / پیج" دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے ---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپ کی تحریر پوسٹ ہو جائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔

Email address :- [Novelskiduniya77@gmail.com](mailto:Novelskiduniya77@gmail.com)

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

( user name [@zoyatalib77](#) )

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page:- [Zoya Talib](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

( پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو )

اور باقی کے رابطے کے لیے ہریچ کے نیچے

["novels ki duniya "](#)

اور

["website"](#)

لکھا ہے ان دونوں کو وزٹ کرنے کے لیے لکھے ہوئے پر ہی کلک کریں اور اوپن کر لیں ---

شکریہ-----